سلسلہ مطبوعات ۷۰

ایشیا کی عہد ساز قیادت (۲)

شیخ الہندؒ اور روحِ عصر

مولانا محمد ناصر

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

سلسلہ مطبوعات ۷۰

ایشیا کی عہد ساز قیادت (۲)

شیخ الہندؒ اور روحِ عصر

مولانا محمد ناصر

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	شیخ الہند کا لقب	۶
2	حضرت شیخ الہند کی آخری دور کی حکمت عملی	۸
3	عدم تشدد کی حکمت عملی	۸
4	قومی سیاسی حکمت عملی	۱۰
5	عصری تعلیمی اداروں کے نوجوانوں کی تربیت اور انکا قائدانہ کردار	۱۳
6	درد کے غم خوار کالجز کے نوجوان	۱۴
7	سماج بیزار مذہبیت کی نفی	۱۵
8	شیخ الہند کا وصال	۱۹
9	سیاسی بصیرت وخدمات کا اعتراف	۲۰
10	جماعت شیخ الہندؒ	۲۲
11	جمعیۃ علماء ہند	۲۷
12	جمعیۃ علماء ہند کے اغراض ومقاصد	۲۸
13	معروف ارکان	۲۹
14	تحریک شیخ الہند اور خانقاہ عالیہ رائے پور	۳۰
15	تحریک شیخ الہند کے پہلے دور کا تجزیہ	۳۵
16	تحریک شیخ الہند کا موجودہ دور	۳۶
17	امید کی کرن	۴۱
18	حوالہ جات وحواشی	۴۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایشیاء کی عہد ساز قیادت (۲)

شیخ الہندؒ اور روح عصر

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (۱۸۵۱ء تا ۱۹۲۰ء) کی زندگی پر نظر ڈالیے، آپ کے افکار و خدمات کے بیان و تجزیہ کے کئی انداز ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک انداز یہ ہوگا اور عام طور پر اہل قلم اور اصحاب نظر اسی کو اختیار فرمائیں گے کہ علم و عمل کے مختلف میدانوں میں آپ کے افکار و خدمات کا جائزہ لیا جائے، لیکن تمام معنوں میں آپ کی ذات گرامی ایک ذات تھی کہاں؟ آپ کا وجود مقدس و گرامی مرتبت، علم و ادب، فکر و نظر، مذہب و سیاست، ایثار و عمل، اخلاق و سیرت اور مذہبی علوم و فنون کے مختلف دبستانوں کا ایک دبستان اور سینکڑوں انجمنوں کی ایک انجمن تھا۔ آپ کے وجود مقدس سے فیضان الٰہی کے سینکڑوں چشمے جاری ہوئے تھے۔ آپ کی ذات گرامی کا ایک خاص دور میں ایک محور ضرور تھا لیکن اپنے دور میں آپ خود ایک نظام رُشد و ہدایت اور مذہب و سیاست کے مرکز و محور تھے۔

آپ کی دعوت تعمیر فکر سے لے کر انقلاب تک، مسند درس و تعلیم اور ذوق عمل کی تربیت سے لے کر میدان جہاد و عمل تک، تالیف و تدوین افکار سے لے کر جہاد لسانی کے ملی و قومی میدانوں تک، مسلمانوں کی عام اجتماعی زندگی سے لے کر بین الملی سطح تک اور مسلمانوں سے لے کر برادران وطن تک، ملکی حالات سے لے کر بین الاقوامی مسائل تک اور اسلامی دینی دائرے سے لے کر قومی سیاست کے تمام گوشوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ، صرف تفسیر و حدیث و فقہ و اصول منطق اور فلسفہ حساب

اور معقولات ہی کے بہت بڑے عالم نہیں تھے بلکہ ان کو ادبیات عربیہ وفارسیہ واردو، شعر وسخن و اساتذہ فن کے مقالات وقصائد وغزلیات اور مثنویات وغیرہ اس قدر یاد اور ازبر تھیں کہ سننے والا حیران رہ جاتا اور تعجب کرنے لگتا تھا۔ اسی طرح حضرت کی نظر تاریخ اور سیاسی واقعات پر وسیع اور گہری تھی۔ ہندوستان کی اقتصادی، معاشی، سیاسی، تجارتی، صنعتی، تعلیمی، انتظامی، جنگی وغیرہ معلومات بھی اس قدر تھیں کہ بڑے بڑے ڈاکٹر اور اکنامکس کے پروفیسر، ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے، اخبار بینی اور واقعات عالم پر اطلاع کا بہت شوق تھا۔ بہر حال ان کو انگریزی حکومت اور ہندوستان کے واقعات نے مجبور کیا کہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر انگریزی استبداد و مظالم کا مقابلہ کیا جائے اور کسی قسم کے خطرے کو بھی مرعوب یا متاثر کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔(۱)

حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی کو اگر چند سطور میں بیان کیا جائے تو وہ دینی وملی، ملکی و قومی اور بین الاقوامی سیاست، دارالعلوم کی مسند درس وتدریس، اصحاب عمل اور مردان کار کی تعلیم وتربیت، جمعیۃ الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ کا قیام، ترکی کے لیے ایثار وقت ومال، مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا سفر کابل، خود حضرتؒ کا سفر حجاز واسارت مالٹا، ریشمی رومال کی تحریک، خلافت کی تحریک اور ترک موالات، ہندو مسلم اتحاد، علماء کرام اور گریجوایٹ طبقہ کے ربط و اتصال پر مشتمل ہے۔(۲)

شیخ الہند کا لقب:

جب ۱۵ مارچ ۱۹۲۰ء کو ساڑھے تین سال کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا جیل سے رہائی کا حکم جاری ہوا، اور ۲۸ جون ۱۹۲۰ء کو آپ ہندوستان پہنچے(۳) تو بمبئی کی بندرگاہ پر ہزارہا آزادی کے متوالوں نے آپ کا پرجوش استقبال کیا، اس کے بعد خلافت کمیٹی کی جانب سے آپ کی خدمت بابرکت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا اور آپ کو شیخ الہندؒ (The Supreme Leader of India) کا خطاب دیا گیا (۴) جو اسم گرامی کا ایک جزو بن گیا۔

ہندوستان واپسی کے وقت اگرچہ آپ کی صحت حد درجہ گر چکی تھی لیکن مشاغل کا انہماک آپ کو چین نہ لینے دیتا تھا۔ جسم و جان کو ہلا دینے والی اذیت ناک قید کے بعد آپ کی سوچ اور جذبہ عمل کیا تھا؟ اس بابت حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نقش حیات میں تحریر کرتے ہیں:

حضرت شیخ الہندؒ اس لمبی مدت کی قید کی مشقتیں برداشت کر کے ہندوستان آئے تو ان کے جذبہ حریت میں کوئی کمزوری یا کمی نہ تھی، بلکہ ہندوستانی مارشل لاء رولٹ ایکٹ مجریہ ۱۹ مارچ ۱۹۱۹ء کے کالے قانون (۵) کے خلاف ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیانوالہ باغ امرتسر میں ایک جلسہ ہوا، جس پر انگریز نے گولی چلائی اور چار سو کے قریب لوگ شہید ہوئے، یہ اور اس جیسے اور واقعات اور ترکی مملکت کی تقسیم اور معاہدہ میسورے اور ترکوں کے ساتھ انتہائی بے انصافیوں نے اس آگ کو اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ بمبئی میں اترتے ہی مولانا شوکت علی مرحومؒ اور خلافت کمیٹی کے ممبروں وغیرہ سے حضرت شیخ الہندؒ کی ملاقات ہوئی، مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ لکھنؤ سے اور مہاتما گاندھی احمد آباد سے، حضرت شیخ الہندؒ کے استقبال کے لیے تشریف لائے، ان سے نیز دوسرے لیڈروں سے خلوت اور جلوت میں حالات حاضرہ پر باتیں ہوئیں، اس موقع پر آپ نے عدم تشدد کا پروگرام ہندوستان کے آزاد کرانے کے لیے ضروری قرار دیا۔ (۶)

اسی طرح جب تحریک ترک موالات شروع ہوئی، تو آپ نے خلافت کمیٹی اور کانگریس کی متعین کردہ راہ کی حمایت میں ایک مفصل فتویٰ دیا۔ (۷)

حضرت شیخ الہندؒ کو پوری زندگی دینی فکر کے احیاء اور آزادی ہند کے مشن سے جو عشق تھا، اس کا ان کے آخری دور کے حوالہ سے مولانا سید محمد میاںؒ نے مؤثر انداز میں نقشہ یوں کھینچا ہے:

حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان تشریف لائے تو مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپ کو جوڑوں کے درد کا قدیم زمانہ سے عارضہ تھا۔ کثرت بول کی شکایت بھی پرانی تھی۔ اس پر مالٹا کا سرد موسم اور مزید براں حضرت والا کی شب بیداری، ریاضت اور قلت غذا، اس کے ساتھ پیرانہ سالی اور پھر ترکوں کی شکست اور اپنی جدوجہد کی ناکامی کا صدمہ، ان تمام اسباب کی بناء پر

گویا مرض الموت کا سلسلہ مالٹا ہی سے شروع ہو گیا تھا، پھر تقریباً تین ماہ تک راستے کی مشقت اور ہندوستان پہنچنے کے بعد خلقت کا ہجوم، تحریک کی ترقی، مشاغل کی کثرت وغیرہ یہ سب چیزیں اضافہ مرض کا سبب بنتی ہیں۔ انتہا یہ کہ آپ کو ٹی بی ہو گئی، مگر درحقیقت اس شیخ طریقت اور شیخ سیاست کی ہمت واستقلال، ہر ایک مسلمان بلکہ ہر ایک انسان کے لیے سبق آموز ہے کہ تپ دق کی آخری سٹیج سے چلنا پھرنا تو درکنار بیٹھنا بھی ممکن نہیں، مگر اس حالت میں بھی تحریک کی قیادت کی جارہی ہے۔ اجلاسوں کی شرکت کے لیے سفر ہو رہا ہے۔ صدارت فرمائی جارہی ہے۔ العظمۃ للہ، عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ بستر مرگ پر ایک شخص فانی کا یہ بے پناہ جذبہ عمل۔(۸)

حضرت شیخ الہندؒ کی آخری دور کی حکمت عملی:

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے آخری دور میں تحریک آزادی کی حکمت عملی کو بالکل ایک نیا رخ دیا، جو اسلام کے عہد اول کی پیروی بھی تھی اور روح عصر کا تقاضا بھی تھا۔ آخری دور کی حکمت عملی میں چار پہلو نمایاں ہیں

(۱) عدم تشدد کی حکمت عملی۔

(۲) قومی سیاسی حکمت عملی۔

(۳) عصری تعلیمی اداروں کے نوجوانوں کی تربیت اور ان کا قائدانہ کردار۔

(۴) سماج بیزار مذہبیت کی نفی۔

(۱) عدم تشدد کی حکمت عملی:

مالٹا قید سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ تحریک آزادی کو کچھ عرصہ مسلمہ بین الاقوامی اصول کے تحت اس دور کی عالمی اسلامی طاقت کے تناظر میں مسلح جدوجہد کے طریقے پر چلاتے رہے تھے، لیکن مالٹا سے واپسی کے وقت حالات بدل چکے تھے۔ اب مسلح جدوجہد کے طریقے کو اختیار کئے رکھنا نقصان دہ تھا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ برطانیہ جنگ عظیم سے فارغ ہو چکا تھا اور برطانوی حکام کے تکبر اور غرور کا پارۂ حرارت انتہاء کو پہنچا ہوا تھا، جس میں امریکہ کی ہمنوائی

شامل تھی انہیں یقین تھا کہ تشدد کے ذریعے ہندوستانی عوام کے جذبہ آزادی اور سیاسی سوچ کو وہ دبالیں گے جبکہ ہندوستانی لوگ معاشی لحاظ سے پہلے کی نسبت بہت دباؤ میں تھے۔ سابقہ حکمت عملی میں ترکی سلطنت کے تعاون کا عنصر بھی شامل تھا جو کہ اب موجود نہ رہا تھا اس بناء پر اسارت مالٹا کے بعد اگلے دور کی حکمت عملی طے کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے عدم تشدد کو بنیاد بنایا جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے مکی دور میں ملتی ہے، ان دنوں آپ سے جو اہم قومی لیڈر ملے جن میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر گاندھی قابل ذکر ہیں، ان کو بھی آپ نے اپنا ہمنوا پایا، یہ سب راہنما عدم تشدد کی حکمت عملی پر یکسو ہو گئے، اس حوالہ سے بھی آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا، جس سے تحریک مزاحمت کو زبردست تقویت ملی، عدم تشدد کی حکمت عملی آپ نے کیوں اختیار کی، اس حوالہ سے جمعیت علماء ہند کے اجلاس دوئم میں حضرت شیخ الہندؒ کا صدارتی خطبہ وجہ جواز بیان کرتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

آج احتجاج اور مطالبہ حقوق کے میدان صرف مظاہروں کے پلیٹ فارم ہیں، خلوتیں اور تنہائی کی راتیں اس کے لیے کافی نہیں ہیں، اگر موجودہ زمانہ میں توپ، ہوائی جہاز کا استعمال دشمنوں کے مقابلہ کے لیے جائز ہو سکتا ہے۔ (باوجودیکہ قرون اولی میں یہ چیزیں نہ تھیں) تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں بھی شک نہ ہوگا کیونکہ موجودہ زمانہ میں ایسے لوگوں کے لیے جن کے ہاتھ میں بندوق، ہوائی جہاز نہیں، یہی چیزیں ہتھیار ہیں (۹)

عدم تشدد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ہندوستان کے بابائے قوم مہاتما گاندھی نے بھی کہا تھا کہ عدم تشدد بزدل آدمی کا کام نہیں یہ بہادروں کا کام ہے۔ (۱۰)

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے آخری دور میں سابقہ تجربات کی روشنی میں نیز تبدیل شدہ عالمی منظر نامہ میں کہ قومی بنیادوں پر ریاستیں وجود پذیر ہو رہی ہیں، آئندہ کے لیے عدم تشدد کی حکمت عملی لازم قرار دے دی تھی لہذا اس تناظر میں اسلام کے نام پر موجودہ دور کی کسی تشدد پسند تحریک کو تحریک شیخ الہندؒ سے منسوب کرنا حقائق کو مسخ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں،

حقیقت یہ ہے کہ ایسی تحریکات مصر کی اخوان المسلمون اور ان کی ہمنوا جماعتوں کی فکر سے زیادہ متاثر ہیں جن کو قومی آزادی کی تحریکات کے بالمقابل پروان چڑھایا گیا۔

تشدد پسندی کو فروغ دینے والے زعماء کو، باچہ خان کے اس تبصرہ پر ضرور غور کرنا چاہیے، وہ کہتے ہیں:

انگریز کہا کرتے تھے "عدم تشدد پر کاربند پٹھان، تشدد کے دیوانے پٹھانوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔" (۱۱)

یہی سبب ہے کہ حال ہی میں (۲۰۰۸ء) رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی، ملت کے تمام مکاتب فکر کے نمائندوں کی دہشت گردی مخالف کل ہند کانفرنس میں ایک متفقہ قرارداد کے ذریعہ ہر قسم کے تشدد اور دہشت پسندی کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی کہ اسلام ہر قسم کے تشدد اور دہشت گردی کا شدید مخالف ہے، اس نے ظلم وتعدی، زور زبردستی، فتنہ وفساد، قتل وخون ریزی، بدامنی وشرانگیزی کو سخت گناہ اور بھیانک جرم قرار دیا ہے۔ الغرض حضرت شیخ الہندؒ کے نام لیواؤں کو اپنا طرز فکر وعمل، حضرت کی اعلیٰ سوچ کے مطابق بنانے پر اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہیے، اگر وہ ان کے آزادی پسند مشن سے مناسبت رکھتے ہیں۔

(۲) قومی سیاسی حکمت عملی:

تحریک ریشمی رومال کی کامیابی کا بڑا انحصار بیرون ہند بالخصوص سلطنت عثمانیہ کی اخلاقی اور عسکری حمایت پر تھا لیکن جب انگریز نے سلطنت عثمانیہ کو تار تار کرنے کے منصوبہ پر عمل درآمد کا آغاز کیا اور شریف مکہ کو ساتھ ملا کر مرکز خلافت سے بغاوت کروادی تو ترکی کے لئے اپنے حالات کو سنبھالنا مشکل ہو گیا چنانچہ دنیا کے بدلے ہوئے حالات کے تناظر میں حضرت شیخ الہندؒ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب ہمیں اپنی قومی آزادی کی جنگ، اپنے بل بوتے پر لڑنی ہوگی، اب باہر سے کوئی ایک ہماری مدد کو نہ آسکے گا۔

اس صورتحال کو پہلی جنگ عظیم نے پیدا کیا تھا، اب ہر قوم اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہی تھی، کیونکہ اس جنگ عظیم کے پیچھے سامراجی ممالک کا بڑا مقصد خطوں اور جغرافیوں کی

بند زبانٹ تھا اور وہ ایشیاء افریقہ پر پل پڑے تھے، ایسے عالم میں کسی ملک کے لیے دوسروں کی مدد کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس بناء پر شیخ الہندؒ کی نگاہ بصیرت ترکی کو پہلے کی سی قوۃ کے ساتھ نہیں دیکھ رہی تھی، ترکی خلافت اپنے آخری دموں پر تھی اور وہ اپنا بین الاقوامی کردار ادا کرنے کے لائق نہ رہی، اقوام اور ممالک کے باہمی رشتے ایک نئے سانچے میں ڈھلنے جا رہے تھے، اس بناء پر ہندوستان اور ترکی خلافت کا پرانا باہمی رشتہ قائم نہ رہ سکتا تھا۔ ان بدلے ہوئے حالات میں ترکی، ہندوستان کی پشت پر کھڑا نہ ہو سکتا تھا، یہ سب تغیرات زمانہ شیخ الہندؒ کی نگاہ میں تھے، بعد کے حالات نے شیخ الہندؒ کی رائے پر صاد کر دیا۔ ترکی کے حصے بخرے کر دیئے گئے، اسی کے ساتھ بعد کے حالات نے دوسرے ممالک کے مسائل میں مداخلت کو بین الاقوامی جرم قرار دے دیا۔ اس بناء پر ضرورت تھی کہ تحریک آزادی کو خالص قومی بنیادوں پر چلایا جائے۔ اس کے لئے آپ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے مدنی دور کا میثاق بطور نمونہ عمل موجود تھا۔

حضرت شیخ الہند، جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دوم میں اپنی اختتامی تحریر میں فرماتے ہیں کہ:

"کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد (آزادی) کے حصول میں مؤید (معاون) بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج (نتیجہ خیز) سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عمائدین (رہنماؤں) نے کی ہے اور کر رہے ہیں، اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دے گی، ادھر دفتری حکومت (انگریز) کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائے گا اور اسلامی اقتدار کا اگر کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی ہماری بداعمالیوں سے حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ کر رہے گا، اس لئے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو (بھی) ملا کر تینوں اگر صلح و آشتی سے

رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم (جیسے انگریز اور آج کل امریکہ) خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقتور ہو، اِن اقوام کے اجتماعی نصب العین کو اپنے جبر واستبداد سے شکست کر سکے (دے سکے) گی" (۱۲)

گویا حضرت شیخ الہندؒ نے مذہب کے گروہی اور تقسیم انسانیت پر مبنی نظریہ کی نفی کر کے اسلام کے انسان دوست تصور پر مبنی قومی حکمت عملی کی اہمیت کو اُجاگر کیا اور یوں اس سوچ کی نفی کر دی جو موجودہ دور میں سیاسی مذہب کہلاتا ہے، جس نے معاشرہ میں تقسیم، تشدد، دہشت گردی اور گروہیت کو فروغ دیکر اسلام کے روشن چہرے کو دھندلانے کی سعی نامشکور انجام دی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی نظر میں قومی ہم آہنگی اور سماجی مفاہمت کی حکمت عملی کو محض سیاسی داؤ پیچ تصور کرنے کی بجائے پائیدار بنیادوں پر قائم رہنا ضروری ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

میں یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی کو اگر آپ خوشگوار اور پائیدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دل نشین کر لیجئے اور وہ حدود، وہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے، جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح وآشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنی امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری مقصود ہو۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے مذہبی معاملات میں تو بہت لوگ اتفاق ظاہر کرنے کیلئے اپنے مذہب کی حد سے گزر جاتے ہیں لیکن محکموں اور ابواب معاش (سماجی ومعاشی معاملات) میں ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے مزید فرمایا "اگر فرض کرو، ہندو مسلمان کے برتن سے پانی نہ پیئے یا مسلمان ہندو کی ارتھی کو کندھا نہ دے تو یہ ان دونوں کے اتفاق کے لئے مہلک نہیں، البتہ ان دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمائیاں اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے اور نیچا دکھانے کی

وہ کوششیں جو انگریزوں کی نظر میں دونوں قوموں کا اعتبار ساقط کرتی ہیں، اتفاق کے حق میں سم قاتل (جان لیوا زہر) ہیں (۱۳)۔

(۳) عصری تعلیمی اداروں کے نوجوانوں کی تربیت اور ان کا قائدانہ کردار:

برعظیم ہند پر قبضہ کے بعد انگریز نے کئی ایسی تدابیر اختیار کیں جس نے اجتماعی سوچ اور قومی وحدت کو بہت نقصان پہنچایا۔ اپنی حقیقی مخالف قوت جماعت علماء حق کو غیر مؤثر کرنے کے لئے انگریز نے گریجوایٹ نوجوانوں کو علماء حق سے متنفر اور دور کرنا شروع کر دیا اور بقول ایرانی سپریم لیڈر سید علی خامنائی:

انگریز نے ہندوستان میں اسلام کے حقیقی مبلغ دارالعلوم (دیوبند) کے مقابلہ میں مغربی رجحانات والا اسلامی مدرسہ (علی گڑھ) قائم کیا۔ (۱۴) یہ صورتحال برقرار رہتی تو مستقبل میں قومی آزادی کی تحریک کی کامیابی کا تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا، اس دوری اور منفیت کا ختم کیا جانا ضروری تھا اسی بناء پر حضرت شیخ الہندؒ کی حکمت عملی آغاز سے یہ رہی کہ جدوجہد آزادی میں علماء کے شانہ بشانہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو شامل ہونا چاہیے، چنانچہ ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، حکیم اجمل خاںؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور خان عبدالغفار خانؒ جیسے لوگ آپ کی جدوجہد کے ساتھی رہے، حتیٰ کہ جمعیۃ الانصار کے اجتماع عام میں آپ کی دعوت پر علی گڑھ کالج کے اکابر نے شرکت کی تھی مگر اب حالات اس سے کہیں آگے کا تقاضا کر رہے تھے اور شیخ الہندؒ اپنے نور فراست سے دیکھ رہے تھے کہ آج کے دور کی اہم قوت کالج گریجوایٹ ہے اور مستقبل میں نظاموں کے بنانے اور بگاڑنے میں ان کا کلیدی کردار ہوگا۔ اس بناء پر آپ اس طاقت کی طرف متوجہ ہوئے اور ان نوجوانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے طریقے ڈھونڈنے شروع کیے، چنانچہ جب تحریک ترک موالات کا اثر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ پر پڑا، تو انہوں نے ایک آزاد نیشنل یونیورسٹی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا اور شیخ الہندؒ کو اس کا صدر بنانے پر اصرار کیا، تو حضرت شیخ الہندؒ نے اس دعوت کو بلا تأمل قبول کر لیا اور حضرت شیخ الہندؒ باوجود سخت علالت اور نقاہت کے ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے افتتاح کے لیے

علی گڑھ تشریف لے گئے، بیماری کی بناء پر خدام نے شرکت سے روکنا چاہا تو فرمایا کہ:

اگر میری صدارت سے انگریز کو تکلیف ہوگی تو ضرور شریک ہوں گا۔ (۱۵)

چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ علی گڑھ اس حالت میں تشریف لے گئے کہ ڈولی میں پڑ کر جلسہ گاہ تک پہنچے، چند منٹ بیٹھ کر خطاب کرنا بھی مشکل تھا۔ مختصر سا خطبہ صدارت املاء کروایا، جسے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھ کر سنایا۔ اس خطبہ کا ایک ایک لفظ آپ کی سیاسی بصیرت، دوراندیشی اور ملی بہی خواہی پر گواہ اور آپ کی پُرعزم سوچ کا آئینہ دار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خطبہ کے الفاظ محض مبارک جذبات کا اظہار نہیں بلکہ اگلے دور کی حکمت عملی کے خدوخال متعین کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے خطبہ صدارت کے چند الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں آپ کی دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ میں اپنی گمشدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں''۔

حضرت شیخ الہندؒ کی سوچ اور طرز عمل کا اثر ان طلبہ اور انتظامیہ پر ایسا ہوا کہ آج تک اس گہری عقیدت اور محبت کی ایک نشانی آج بھی دیکھی جاسکتی ہے چنانچہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی ویب سائٹ کے سرورق پر پہلا نمایاں نام حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

درد کے غم خوار' کالجز کے نوجوان:

حضرت شیخ الہندؒ اپنے خطبہ میں مزید فرماتے ہیں:

اے نونہالان وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار (جس سے میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم، سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں، تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) کا رشتہ جوڑا۔ کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک

سے منحرف بتائیں لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں بظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے۔

ودش دیدم کہ ملائک در میخانہ زد
گل آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند
ساکنان حرم سر عفاف ملکوت
با من راہ نشین بادہ مستانہ زدند
شکر ایزد کہ میان من و او صلح فتاد
حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند
جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر
چوں نہ دیدند حقیقت راہ افسانہ زدند

"گزشتہ رات میں نے دیکھا کہ فرشتے میخانہ میں باتیں کر رہے تھے' آدمی کی مٹی گوندھ رہے تھے اور اس کا پیمانہ بنا رہے تھے، پاکدامنی کے رازداں حرم کے باسی فرشتے میرے ساتھ راہ پر بیٹھے شراب مستی چھلکا رہے تھے، شکر ہے خدا کا کہ اس نے میرے اور ان کے درمیان صلح کرادی، چنانچہ حوریں رقص کرتے ہوئے شکرانہ کے طور پر ساغر انڈیل رہی تھیں' بہتر فرقوں کی لڑائی کا بہانہ رہنے دو' جب لوگ حقیقت نہیں دیکھتے تو افسانہ کے راستے پر چل پڑتے ہیں (یعنی مدرسہ اور کالج کا اختلاف محض ایک افسانہ ہے ورنہ یہ دونوں اعلیٰ مقاصد کے لیے شیر و شکر ہو جاتے ہیں"(۱۶)

آج یہ تقاضہ شدت سے ابھر رہا ہے کہ ہمارے مذہبی طبقہ کے زعماء، حضرت شیخ الہندؒ کے ان خیالات کی روشنی میں اپنے جاری طرز عمل کا جائزہ لے کر عصری حکمت عملی کی طرف توجہ دیں۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے — کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

(۴) سماج بیزار مذہبیت کی نفی:

دین حق جامع تصور حیات کا حامل ہونے کی بناء پر دین و دنیا دونوں میں بھرپور،

فعال اور کامیاب طرز عمل اپنانے کو پسند کرتا ہے۔قرآن حکیم اور سیرت طیبہ میں جہاں اللہ اور اس کے بندے کے درمیان مضبوط رشتہ کے قیام پر رہنمائی ملتی ہے وہیں انسانوں کے باہمی تعلقات ،معاملات اور حقوق کی ادائیگی پر بھی برابر زور دیا گیا ہے۔سماجی اور اجتماعی ذمہ داریوں سے فرار کی راہ اختیار کرنے والوں کو دین اسلام میں ناپسند کیا گیا ہے،اسی بناء پر اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ظلم پسند نظاموں میں ردعمل سے بچنے کے لئے حکمرانوں کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر فرد کو اس کی ذات کے خول میں بند کر دیا جائے اس کو خود غرض بنا کر اجتماعی ذمہ داریوں کے نبھانے سے باز رکھا جائے اور مذہب کا ایسا تصور پیش کیا جائے جو اس مذہب کے حامل لوگوں کو چند مذہبی اعمال تک محدود رکھ کر اسی مذہبی حیثیت میں مطمئن رکھنے کے ساتھ،موجود باطل اور ظالم نظام کے مقابل جدوجہد سے کنارہ کش اور بیگانہ رکھے۔یہ صورتحال حکمران طبقہ کے لئے فائدہ مند اور دین کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے اس لئے ہر دور کے علماء حق حکمرانوں کی سازشوں،ایسی اجتماعیت گریز سوچ اور جدوجہد سے جی چرانے والے لوگوں سے مخلوق کو آگاہ اور متنبہ کرتے رہتے ہیں۔

برعظیم پاک و ہند میں انگریز نے اپنے ظلم کے شکنجے کو مضبوط رکھنے کے لئے ایسی سوچ کو رواج دیا جو ذاتی نیکی اور انفرادیت پسندی پر مبنی ہو،اس سوچ اور رویئے کا فائدہ سراسر انگریز کو تھا اور جدوجہد آزادی میں سرگرم علماء ربانی کو مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا تھا اس لئے شیخ الہندؒ نے حقیقی صورتحال کو واضح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی چنانچہ جمعیت علماء ہند کے اجلاس دوئم ۱۹،۲۰،۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کے صدارتی خطبہ میں شیخ الہندؒ نے جمعیت کے مقاصد کی وضاحت اور بھرپور تائید کرتے ہوئے مذہب کے قنوطی تصور (سماجی کردار سے عاری اور تبدیل احوال سے مایوسی پر مبنی تصور) کی سختی سے نفی کی،جس کے تحت مذہب صرف چند رسوم کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے اور معاشرتی معاملات سے الگ تھلگ اور بنیادی اصلاح احوال سے مایوس ہو کر اپنے خول میں بند رہنے کی تلقین کرتا ہے،چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا:

اسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اخلاقی، سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل و مکمل نظام رکھتا ہے جو لوگ کہ زمانہ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھ رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لیے کافی سمجھتے ہیں، وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک بدنما دھبہ لگاتے ہیں۔ان کے فرائض صرف نماز، روزہ میں منحصر نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے۔

آپ نے مزید فرمایا:

جماعت علماء جو حقیقۃً مسلمانوں کے مذہبی قائدین ہیں ان کا فرض ہے کہ اس وقت موقعہ کی نزاکت اور اہمیت کو نظر انداز نہ کریں، آپس کے نزاع اور اختلاف میں پڑ کر اصل مقصود کو خراب نہ کریں، ورنہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کی تمام تر ذمہ داری انہیں پر عائد ہوگی۔علمی تدقیقات کے لیے آپ کے واسطے بہت سے میدان کھلے ہوئے ہیں، عبادت و ریاضت کے لیے بہت سی راتیں آپ کو بلاشرکت غیرے حاصل ہیں، مگر جو کام کہ جبل احد اور میدان بدر میں ہوا وہ مسجد نبوی جیسی مقدس جگہ کے مناسب نہ تھا۔(۱۷)

حضرت شیخ الہندؒ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تاسیسی اجلاس میں قومی مذہب کے حوالہ سے تشکیل پانے والے رویوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہت سے نیک بندے ہیں، جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے، لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا اٹھو، اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف و ہراس مسلط ہو جاتا ہے۔خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامان حرب وضرب کا۔

حالانکہ ان کو تو سب سے زیادہ جاننا چاہیے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے، اور دنیا کی متاع قلیل خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی، چنانچہ اس قسم کے مضمون کی طرف اللہ

تعالیٰ نے ان آیات میں اشارہ فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ج فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ کَخَشْیَۃِ اللّٰہِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَۃً ج وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ کَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ج لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ط قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ج وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ہ. اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ. (۱۸)

''کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی، جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ کو روکو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو یکا یک ان میں کا ایک فریق ڈرنے لگا آدمیوں سے، خدا کے برابر یا اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگا کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا اور کیوں تھوڑی مدت ہم کو اور مہلت نہ دی، کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت اس شخص کے لیے بہتر ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں کہیں بھی تم ہو موت تم کو آدبائے گی اگرچہ تم نہایت مستحکم قلعوں میں ہو۔''

جس دور اور جن لوگوں کے سامنے یہ کلمات کہے گئے ان پر کیا اثرات مرتب ہوئے، اسے تو وہی جانیں، کیا یہ کلمات مبارکہ موجودہ حالات میں بھی ہر سلیم الفطرت انسان کے لطیف احساسات کو مہمیز نہیں دے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری موجودہ رسمی مذہبی سوچ میں ارتعاش اور تبدیلی پیدا کرنے کے لیے یہ الہامی الفاظ غور وفکر کا سامان لیے ہوئے ہیں۔

جمعیت علماء ہند کے اجلاس کے اختتامی کلمات میں جمعیت کے اغراض ومقاصد کی توثیق کرتے ہوئے شیخ الہندؒ مزید فرماتے ہیں:

مجھے یہ معلوم ہو کر نہایت مسرت ہوئی کہ جسم قوم کی روح جماعت علماء نے بعض سیاسی امور میں پھر ایک مرتبہ اپنی زندگی کا ثبوت پیش کیا ہے، جن میں وہ بالکل مردہ سمجھی جارہی تھی اور جن میں اگر وہ مردہ ثابت رہتی تو اسلامی عزت ووقار کا بالکل ہی خاتمہ تھا۔ آپ رنجیدہ

نہ ہوں تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کا علم وتدین (۱۹)، اگر اب بھی عالم اسلام کے خوفناک مصائب سے آنکھ بند کیے رکھنے کی اجازت دیتا، تو آج دنیا ہماری غیرت ایمانی اور شرافت انسانی دونوں کے بیک وقت دفن کیے جانے پر ماتم کناں ہوتی۔(۲۰)

شیخ الہندؒ کی حکمت عملی کے یہ چار نمایاں پہلو جو اوپر کی سطور میں ذکر ہوئے، شیخ الہندؒ کے آخری دور کے فکر وعمل سے تعلق رکھتے ہیں۔اس تفصیل سے یہ بات عیاں ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں دوران تعلیم شیخ الہندؒ نے اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے جذبہ جہاد کی جو امانت حاصل کی تھی اس کی حفاظت، اشاعت اور عملی تشکیل کے لئے آپ اپنی زندگی کے آخری سانسوں تک کوشاں رہے یہ الگ بات ہے کہ حالات کے جبر نے آپ کے منصوبوں کی راہ میں بے شمار پتھر اور کانٹے بچھائے مگر آپ حالات کی ناموافقت کا عذر کر کے تھک کر بیٹھ نہیں گئے، بجا کہ تحریک ریشمی رومال کا منصوبہ اپنی اصل حالت میں حالات کے بدل جانے سے اگرچہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا لیکن تحریک شیخ الہندؒ بہر حال جاری رہی البتہ اس کی نوعیت بدل گئی، پہلے یہ قومی آزادی کے لیے خلافت عثمانیہ کے پس منظر میں قومی عسکری تحریک تھی، منصوبہ کی ناکامی کے بعد ایک قومی سیاسی تحریک میں تبدیل ہوگئی اور اس کے ممبران جمعیت علماء ہند، خلافت کمیٹی، مجلس احرار جیسی تنظیموں میں شریک ہو کر آزادی کی سرفروشانہ جدوجہد جاری کیے رہے۔(۲۱)

شیخ الہندؒ کا وصال:

حضرت شیخ الہندؒ جسمانی طور پر نحیف ونزار اور کمزور تو تھے ہی، مزید برآں مالٹا کے موذی قید خانہ کے قیام نے آپ کی رہی سہی صحت پر بھی اثر ڈالا تھا آپ ۲۸ جون ۱۹۲۰ء کو رہا ہو کر جب واپس ہندوستان تشریف لائے تو اس وقت بھی آپ کے جسم میں آزادی کی آگ شعلہ زن تھی اور اس سخت تکلیف کے باوجود آپ ہر، اس کام کو انجام دینے کو تیار تھے جو آزادی کی تحریک میں کسی بھی طرح معاون ہو۔اس واحد غرض کے لیے آپ نے جامعہ ملیہ کی تاسیس میں اور جمعیت علماء ہند کے اجلاس دوئم میں شرکت فرمائی تھی لیکن خدا کو کچھ اور ہی

منظور تھا کہ مالٹا سے واپسی کے صرف چھ مہینے بعد یہ عظیم لیڈر اور ہندوستانی قوم کا قائد جلیل ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء بروز منگل یعنی جمعیت علماء ہند کے اجلاس کے صرف نو دن بعد ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ کے مکان پر یہ کہتے ہوئے اس دار فانی سے رخصت ہو گیا کہ:

"مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں افسوس تو یہ ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں، تمنا یہ تھی کہ میدان جہاد ہوتا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے جرم میں میرے ٹکڑے کیے جاتے"، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں، اس کے بعد بلند آواز سے اللہ اللہ سات مرتبہ کہا۔ آٹھویں مرتبہ آواز بند ہو گئی۔ پاس بیٹھے مفتی کفایت اللہؒ اور دیگر سورۃ یسین پڑھ رہے تھے، جب یہ لوگ اخیر سورۃ پہنچے، تو حضرت نے ذرا آنکھ کھولی اور تصدیق قلبی (دل کے ایمان) کی تائید کے لیے زبان کو حرکت دی اور سورۃ کے آخری کلمات اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے) کی آواز پر قبلہ رخ ہو کر ہمیشہ کے لیے آنکھ بند کر لی اور سہولت سے سانس منقطع ہو گیا اور آپ کی روح مقدس تمام اہل اسلام کو یتیم و بیکس چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئی اور رفیق اعلیٰ سے جا کر مل گئی۔ (۲۲) (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.)

سیاسی بصیرت و خدمات کا اعتراف:

شیخ الہندؒ کے وصال مبارک پر ملک اور بیرون ملک کے اکابر نے آپ کی سیاسی بصیرت و خدمات کا اعتراف کیا۔ ان تمام بیانات کا احاطہ گو ممکن نہیں صرف چند ایک پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ آزاد افغانستان کے پہلے حکمران امیر امان اللہ خانؒ نے افغانستان کی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

محمود حسن ایک نور ہے جس کی روشنی میں ہم بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں۔

امیر امان اللہ خانؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پر نہایت اخلاص سے بے نظیر شان کے ساتھ مجلس فاتحہ خوانی منعقد فرمائی اور اس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"مولانا محمود حسن یک کار را شروع کردند من اورا پورا میکنم"

کہ مولانا شیخ الہندؒ نے جس کام کو شروع کیا تھا میں اسے پورا کروں گا۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ساتھ سفر کابل میں شریک اور اس فاتحہ خوانی میں موجود مجاہد آزادی حاجی فیض محمد خانؒ اس فاتحہ خوانی کے احوال میں لکھتے ہیں: فاتحہ خوانی میں دعاء کے بعد شاہ امان اللہ خانؒ نے اٹھ کر تقریر کی۔ انہوں نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

شیخ الہندؒ کی وفات سے مجھے سخت صدمہ پہنچا ہے اور آپ اور دوسرے علماء جن کا مولانا محمود حسنؒ سے گہرا تعلق تھا، میرے دلی ہمدردی کے مستحق ہیں وہ اسلام کی عمارت کے ایک مضبوط ستون کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوگیا ہے وہ شاید کبھی پُر نہ ہوسکے۔ (۲۳)

آزاد ہندوستان کے پہلے نائب وزیر اعظم اور وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزادؒ نے جمعیت علماء ہند کے اجلاس سوئم لاہور (۱۸ تا ۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء) میں خطبہ صدارت کے دوران حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پر کہا:

ان کی وفات بلاشبہ ایک قومی ماتم ہے، مولانا مرحوم ہندوستان کے گزشتہ دور علماء کی آخری یادگار تھے، ان کی زندگی اس عہد حرمان وفقدان میں علماء حق کے اوصاف وخصائل کا بہترین نمونہ تھی ان کا آخری زمانہ جن اعمال حقہ میں بسر ہوا وہ علماء ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ ستر برس کی عمر میں جب ان کا قدان کے دل کی طرح اللہ کے آگے جھک چکا تھا، بیت اللہ کے بالکل قریب گرفتار کئے گئے اور جزیرہ مالٹا میں نظر بند رہے۔ یہ مصیبت انہیں صرف اس لئے برداشت کرنا پڑی کہ اسلام وملت اسلام کی تباہی وبربادی پر ان کا خدا پرست دل صبر نہ کرسکا اور انہوں نے حق کے دشمنوں کی خواہشات کی تسلیم واطاعت سے مردانہ وار انکار کردیا۔ درحقیقت انہوں نے علماء حق وسلف کی سنت زندہ کردی اور علماء ہند کے لئے اپنی سنت حسنہ یادگار چھوڑ گئے، وہ اگرچہ اب ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی روح عمل موجود ہے اور اس کے لئے جسم کی طرح موت نہیں۔ (۲۴)

جماعت شیخ الہندؒ :

شیخ الہندؒ کی وفات کے وقت ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں کئی قسم کی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ان تبدیلیوں کے پیچھے پہلی جنگ عظیم کا بڑا کردار ہے، جو دراصل مغربی ممالک کی حرص و آز کی آگ کا اظہار تھا۔مغربی ممالک دنیا کی لوٹ کھسوٹ کے لیے علاقوں کی نئی بندر بانٹ کرنا چاہتے تھے۔اس زمانہ میں تمام براعظموں کے جغرافیوں میں اہم تبدیلیاں اسی کا نتیجہ تھیں اور مشرق وسطی میں کراچی جتنے علاقے پر مشتمل ممالک کا قیام اسی شیطانی شرارت کا شاخسانہ ہے۔اسی کے بعد مسلمانوں کے مرکز خلافت ترکی کے حصے بخرے کیے گئے۔جس کے اثرات پوری دنیا بالخصوص مسلمانوں پر بہت زیادہ پڑے۔مسلمانوں کی اجتماعیت منتشر ہوگئی۔یہ واقعات وحوادث جو دنیا میں پیش آئے،انکے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں اہم اثرات مرتب ہوئے۔یہ صورتحال نئی حکمت عملی بنائے جانے کا تقاضا کررہی تھی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی سیاسی تربیت نے علماء اور گریجوایٹس میں ایک ذی شعور حلقہ پیدا کردیا تھا اور حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ، آپ کے تلامذہ ورفقاء میں کئی شخصیات نے سیاسی فکر وعمل میں امتیاز اور رسوخ پیدا کرلیا تھا۔نمایاں مثالوں میں مفتی کفایت اللہؒ،مولانا عبیداللہ سندھیؒ،مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاریؒ،مولانا حسین احمد مدنیؒ،مولانا محمد صادق سندھیؒ،مولانا عزیر گلؒ،مولانا عبدالرحیم پوپلزئیؒ اور ایسے کئی نام لئے جاسکتے ہیں۔

ان میں سے اکثر حضرات تو آپ کے شاگرد اور تحریک آزادی کے عظیم رہنماؤں میں سے ہیں لیکن اس عہد کے اکابر سیاست دانوں میں سے کون ہے، جو شیخ الہندؒ کے سیاسی افکار سے مستفید نہیں ہوا،اور جس نے آپ کے عمل وسیرت سے عزیمت واستقامت کا سبق نہیں سیکھا۔ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ اور خان عبدالغفار خانؒ تو آپ کے ہاتھ پر بیعت جہاد و اصلاح کرچکے تھے۔حکیم اجمل خانؒ،مولانا ابوالکلام آزادؒ،مولانا محمد علی جوہرؒ،مولانا حسرت موہانیؒ،مولانا شوکت علی،ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ وغیرہ کون ہے جو وقت کے اس سیاسی سورج کے نظام کشش سے آزاد ہو اور اپنا الگ مرکز ثقل رکھتا ہو۔

اگرچہ علوم دینی میں دہلی،لکھنؤ وغیرہ میں بعض دوسرے مراکز نور بھی تھے اور ان

کے اپنے الگ الگ نظام قمری تھے لیکن سیاسی روشنی وہ اسی چشمہ نور سے حاصل کرتے تھے۔ سیاست میں انہیں جو پیشوائی اور مقتدائی کا مقام حاصل تھا وہ انہیں شیخ الہندؒ کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ فرنگی محل کے شیخ وقت مولانا عبدالباریؒ، آپ کی بزرگ شخصیت اور سیاسی رہنمائی کے معترف و مداح تھے، مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے تبلیغی جماعت کے بانی اور امیر کی حیثیت سے عالمگیر شہرت پائی، حضرت شیخ الہندؒ کے دست حق پر بیعت جہاد کر چکے تھے۔ علمائے لاہور اور لدھیانہ میں سے اکثر ایک الگ فقہی مسلک رکھنے کے باوجود سیاسی میدان میں ان کے رہنما بھی حضرت شیخ الہندؒ تھے۔ (۲۵) حاجی ترنگ زئیؒ اور ان کے رفقاء میں سے بالخصوص مولانا سیف الرحمٰنؒ جو قندھاری افغان ہیں جیسے غیور مجاہد جنہوں نے آزاد قبائل علاقہ یاغستان میں تحریک آزادی کو جاری رکھا، یہ سب شیخ الہندؒ کے چشمہ فیض سے ہی سیراب ہوئے ہیں۔

جماعت شیخ الہند میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا نام نامی نمایاں اور امتیازی حیثیت کا حامل ہے، آپؒ ہمیشہ جماعت شیخ الہندؒ میں کلیدی کردار کے حامل رہے ہیں، چنانچہ جمعیۃ الانصار کی نظامت سے لے کر حضرت شیخ الہندؒ کے ایماء پر نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ادارہ کا قیام اور شیخ الہندؒ کے حکم پر سفر کابل آپ پر حضرت شیخ الہندؒ کے غیر معمولی اعتماد اور بھروسہ کا مظہر ہے۔ انگریز کے چنگل سے نکلنے کے لیے آخری دور میں جمعیت علماء ہند جس کا اگلی سطور میں تذکرہ ہوگا، نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ جمعیت علماء ہند کی یہ اجتماعیت، ثمرۃ التربیت، جمعیۃ الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ کا تسلسل اور نتیجہ تھی۔ ان سب اجتماعیتوں میں امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا قائدانہ کردار رہا ہے۔ جمعیت علماء ہند کے اکثر رہنما آپ سے قریبی تعلق رکھتے تھے اور پیچیدہ مسائل کے حل میں آپ سے رہنمائی لیتے تھے۔

اس ضمن میں سربراہ جمعیت علماء ہند حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے آپ کا ربط و ضبط اصل حقیقت کو اجاگر کرتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنی زندگی کے آخری دور میں "نقش حیات" لکھتے ہیں، جو آپ کی آپ بیتی کے ساتھ ہندوستان کے سیاسی حالات اور زندگی کے مشاہدات و تجربات پر بصیرت افروز تجزیہ و تبصرہ پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں حضرت

مدنیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک، آپ کے اعتماد یافتہ مخلص لوگوں اور ان کی گرانقدر خدمات کو ذکر کیا ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارے میں حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں:

مولانا عبیداللہ صاحبؒ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خاص فدائی اور نومسلم شاگرد تھے۔ عرصہ دراز تک خدمت میں رہے تھے۔ سمجھ اور حافظہ نہایت اعلیٰ پیمانہ کا اور ہمت و استقلال بے نظیر، قدرت نے عطا فرمایا تھا۔ (۲۶)

حضرت شیخ الہندؒ سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی گہری اور مضبوط مناسبت کے ضمن میں ایک جگہ حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں:

الغرض حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان (مولانا سندھیؒ) کو بالکل اپنا ہم خیال اور ہم عمل بنالیا۔ (۲۷)

یعنی حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت سندھیؒ فکر و عمل کے لحاظ سے ایک ہو گئے تھے اور دونوں میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔ غور کیا جائے تو حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے حوالہ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی یہ بہت بڑی شہادت ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی عملی جدوجہد میں بے مثال قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم آزادی ہند کے نصب العین پر کابل بھیجے گئے جس مقصد اور نصب العین کے لئے اس جلاوطنی کو ان کے واسطے حضرت شیخ الہندؒ نے مقرر فرمایا تھا وہ پھولوں کی سیج نہ تھی بلکہ نہایت کٹھن اور کانٹوں سے بھری ہوئی وادی تھی جس میں قدم قدم پر موت کا خطرہ اور مصائب کا انبار تھا۔ مولانا موصوف نے جس جوانمردی اور مستقل مزاجی سے ہلاکت سے بھری ہوئی مصیبتوں کو جھیلا ہے اور ملک و وطن اور تمام ملت ہندوستانی اور مسلمانوں کے لئے جدوجہد کی ہے وہ صرف ان کا حصہ تھا۔

اس سفر عزیمت کی مشکلات کا تذکرہ کر کے حضرت مدنیؒ، حضرت سندھیؒ کی ثابت قدمی کی بابت یہ گرانقدر جملے تحریر کرتے ہیں:

مگر انہوں نے مایوسی کو راہ نہ دی اور نہ ان کا قدم ڈگمگایا۔(۲۸)

مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا ان پر شکوہ الفاظ میں تذکرہ اس کتاب میں کیا ہے جسے آپ نے حضرت سندھیؒ کی وفات کے تقریباً نو سال بعد ۱۹۵۳ء (۲۹) میں مکمل کیا۔ جس سے حضرت مدنیؒ کی نظر میں حضرت سندھیؒ کے حقیقی مقام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انہیں اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کے قائم مقام مانتے تھے اور اپنی پختہ رائے کو آپ کی وجہ سے چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ مکہ مکرمہ سے اپنی واپسی کا اصل سبب بیان کرتے ہوئے خطبہ صدارت اجلاس علمائے صوبہ بنگال منعقدہ کلکتہ میں فرماتے ہیں:

حضرت مولانا حسین احمد مدظلہ العالی میرے استاد شیخ الہند قدس سرہ کے قائم مقام یعنی ثانی شیخ الہندؒ ہیں اگر مولانا حسین احمد میری واپسی کی خواہش ظاہر نہ کرتے تو میں بمشکل اس امر پر راضی ہوتا کہ گورنمنٹ ہند سے واپسی میں سہولت پہنچانے کے لئے درخواست کروں۔(۳۰)

الغرض حضرت سندھیؒ اور حضرت مدنیؒ کے باہمی اعتماد کے کئی ایک واقعات ہیں، چنانچہ حضرت سندھی کی برعظیم آمد کے بعد حضرت مدنیؒ نے ایک خط میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو لکھا کہ اپنے بڑے صاحبزادہ مولوی حبیب اللہ کو اپنے ساتھ اور دوسرے بیٹے مولوی عبیداللہ انور کو حضرت سندھی کے ساتھ مامور کریں، جبکہ وہ اس وقت مظاہر العلوم سہارنپور میں زیر تعلیم تھے۔ یوں وہ مختلف اسفار میں ہمراہ رہے۔ اسی طرح حضرت سندھی نے مولانا عبیداللہ انور کو حضرت مدنیؒ سے قلبی ذکر سیکھنے کی ہدایت کی اور ان کو بالآخر دارالعلوم دیوبند میں داخل کرایا جہاں انہوں نے حضرت مدنی سے دورہ حدیث کی تعلیم حاصل کی (۳۱)

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اپنی مجالس میں حاضرین پر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا بہت اعتماد بٹھایا کرتے تھے حضرت سندھیؒ ۱۹۴۴ء میں انتقال کر گئے تھے

۔۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء کا رمضان حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے رائے پور میں کیا تھا چنانچہ ۱۸ اگست ۱۹۴۶ء کی ایک مجلس میں آپ کے سامنے حضرت سندھیؒ کا تذکرہ ہوا تو فرمایا:

میں نے تو حضرت شیخ الہندؒ سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تعریف سنی ہے کہ وہ بہت مستعد ہیں اور حضرت شیخ الہندؒ ان کی بہت ہی تعریف فرماتے تھے تو اب میرے خیال میں یہ (تجزیہ) ہے کہ مولانا کی بات سمجھنی دشوار ضرور تھی مگر بات صحیح کہتے تھے۔..... حضرت شیخ الہندؒ جس کی تعریف کریں میں تو ان کے متعلق نیک گمان ہی رکھتا ہوں۔(۳۲)

قریب زمانہ کے ممتاز محدث اور استاذ العلماء مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو ایک مایہ فکر و ہمت شخصیت کے طور پر پیش کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

الذکی الفاضل مولاناشیخ عبیدالله سندهی صاحب الهمة العالیة والعزیمة الراسخة خدم القوم والملة برهة من عمر والان یقضی حیوته بمکه زادهاالله تکریما ومنعه الحکومة الحاضره من العودالی الهند.(۳۳)

''مولانا عبیداللہ سندھیؒ باصلاحیت تیز فہم اور ایسے بلند ہمت اور پختہ عزم وحوصلہ والے انسان ہیں جنہوں نے عمر کا ایک حصہ قوم وملت کی خدمت میں صرف کیا ہے اور آج کل مکہ مکرمہ میں قیام فرما ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے عزوشرف کو بڑھائے۔ موجودہ حکومت انہیں ہندوستان واپس آنے کی اجازت نہیں دے رہی۔''

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی وفات پر مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی زیر صدارت جمعیت علماء ہند کے اجلاس (سہارنپور) منعقدہ ۴، ۵، ۶ مئی ۱۹۴۵ء میں یہ تعزیتی قرارداد منظور کی گئی:

جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس عام حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ کے انتقال پُر ملال پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت مولانا علوم دینیہ کے ایک فاضل جلیل ہونے کے علاوہ تحریک آزادی وطن کے ان مقتدر علمبرداروں میں سے ایک ممتاز فرد تھے جنہوں نے آزادی وطن کے لئے ہر قسم کی بیش بہا جانی و مالی قربانیاں پیش کی ہیں اور اس راہ

میں پورے استقلال وثبات قدم کے ساتھ زندگی کے آخری سانس تک نہایت انبساط اور کشادہ دلی کے ساتھ مشغول رہے ان کی وفات سے محبان آزادی وفدا کاران ملت ووطن کی صف میں جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا مستقبل قریب میں پُر ہونا بظاہر مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کی تربت مقدسہ ''قبر مبارک'' کو اپنی رحمت کی بارش سے سیراب فرمائے۔ (۳۴)

واضح رہے کہ اس اجلاس میں مولانا فخر الدین، مولانا احمد سعید سحبان الہند، مولانا محمد میاں، مولانا سید بادشاہ گل سرحدی، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، خان عبدالصمد خان اچکزئی (بلوچستان) مولانا مفتی محمد نعیم اور مولانا عبدالحق سندھی جیسی شخصیات نے شرکت کی تھی۔

جمعیت علماء ہند:

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس دور میں وطنی آزادی کی تحریک نے ایک نیا موڑ لیا تھا اور وہ یہ کہ مسلح جدوجہد کی بجائے، عدم تشدد اور سیاسی تدابیر کے ساتھ تحریک کو آگے بڑھایا جائے۔ جماعت شیخ الہند اس تمام صورتحال کا بغور جائزہ لینے کے بعد جمعیت علماء ہند کے نام سے علماء حق کی اجتماعیت کو نئی شکل دیتی ہے، اس جماعت کے بانیان اور سرکردہ رہنما وہی لوگ تھے جو پچھلے دور میں ثمرۃ التربیت کے قیام سے لے کر تحریک خلافت تک آزادی وطن کی خاطر کردار ادا کرتے رہے۔

جمعیت کے زعماء کرام عام معنوں میں اور پیشہ ور قسم کے سیاست دان نہیں تھے، وہ عالم دین تو تھے لیکن تنگ نظری اور مذہبی تعصبات سے کوسوں دور تھے، وہ کھلے ذہن اور آزاد فکر کے مالک اور روشن خیال تھے۔ جمعیت علماء ہند کا وجود ہندوستان میں مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے اتحاد کی علامت تھا، اس کا قیام کانگریس اور لیگ کے درمیان فکر وتوازن کا نقطہ اعتدال تھا۔

جمعیت کی تاریخ طویل مدت پر پھیلی ہوئی ہے۔ غیر رسمی تاریخ اس کے قیام سے کم وبیش چالیس برس پہلے ۱۸۸۰ء ثمرۃ التربیت کے قیام سے شروع ہوتی ہے اور اگر اس کے پس منظر کو

تلاش کیا جائے تو پہلی نظر دارالعلوم دیوبند کے قیام پر پڑتی ہے اور اگر اس سے اوپر نظر اٹھائیے تو ۱۸۵۷ء کے حوادث کے بعد بزرگان دیوبند کے افکار ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔(۳۵)

جمعیت علماء ہند کے اغراض و مقاصد:

۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء بروز اتوار کو جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں آیا اور اس کا پہلا اجلاس زیر صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ امرت سر میں ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب پہلی جنگ عظیم کے بھیانک نتائج ہر جگہ محسوس کیے جا رہے تھے، بالخصوص اہل ہند انگریز کی مکارانہ پالیسیوں اور دھوکوں سے عملاً آگاہ ہو چکے تھے۔ بناء بریں ایک سیاسی بیداری تھی اور پورا ہند تبدیلی کا خواہاں تھا۔ شیخ الہندؒ سے وابستہ کئی علماء کانگریس کی قومی آزادی کی تحریک میں شریک تھے، لیکن علماء نے اس قومی جدوجہد میں شرکت کے ساتھ محسوس کیا کہ مذہبی امور کی حفاظت اور سیاست میں ان کا الگ تشخص قائم رہنا ضروری ہے، اس مقصد کی خاطر جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔ جمعیت کے اغراض و مقاصد بنیادی طور پر دو حصوں پر مشتمل ہیں۔

۱۔ دینی اور مذہبی امور کا تحفظ۔

۲۔ قومی جدوجہد آزادی میں مؤثر کردار۔

جہاں تک پہلے امر کا تعلق ہے، تو اس حوالہ سے اسلام کے درست اور صحیح نظریات کی وضاحت، ملت اسلامیہ کی شرعی تنظیم اور محاکم شرعیہ کا قیام، مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی، اخلاقی، معاشرتی امور پر سیاسی رہنمائی دینا جیسے اہم امور جمعیت علماء ہند کے پیش نظر تھے۔

جبکہ دوسرے پہلو کے لحاظ سے وطنی آزادی کے لیے ہر اس قوت اور اجتماعیت سے اشتراک عمل تھا، جو انگریز سے چھٹکارا پانے میں مخلص ہونے کے ساتھ، قومی مسائل کے حل کے حوالہ سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے اصول پر یکسو ہو۔ جس میں مشترکہ مذہبی حقوق کی نگہداشت اور مشترکہ مذہبی و ملکی ضروریات مقصود تھیں کیونکہ انگریز مذہبی حقوق میں عدم توازن کے ذریعے فرقہ واریت پھیلا کر اپنا اقتدار مضبوط کر رہا تھا، اس بناء پر دین کی روشنی میں صحیح رہنمائی کی ضرورت تھی کہ دینی تقاضوں کے لحاظ اور تکمیل کے ساتھ قومی آزادی کی جدوجہد کو مؤثر انداز سے آگے بڑھایا جائے۔ مذکورہ دونوں پہلوؤں کا بنیادی مقصد دین حق کی روشنی

میں ہندوستانی سیاسی، معاشی، سماجی اور مذہبی مسائل کا ایسا حل تھا کہ ہر حقدار کو حق مل جائے اور کسی پر زیادتی بھی نہ ہو۔(۳۶)

معروف ارکان:

اس جماعت کی خصوصیت یہ تھی کہ ہندوستان کے ہر اہم علاقہ اور صوبہ کو نمائندگی دی گئی تھی اور اس میں ہر طبقہ فکر اور خواص کو شامل کیا گیا تھا، البتہ عام مسلمین کو اعزازی ممبر بنایا گیا تھا، اس جماعت کے معروف ارکان یہ تھے۔ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امیر شریعت مولانا محمد سجادؒ، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا سید محمد میاںؒ، حکیم محمد اجمل خانؒ، مولانا عبدالماجد بدایونیؒ، مولانا محمد معین الدین اجمیریؒ، مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ۔(۳۷) علاقائی نمائندگی کے حوالہ سے دیگر معروف ارکان یہ تھے:

ممالک متحدہ آگرہ اودھ سے: مولانا محمد فاخرؒ الہ آبادی، مولانا محمد سلامت اللہ، مولانا حسرت موہانیؒ، مولانا مظہر الدینؒ۔

بنگال سے: مولانا منیر الزماںؒ، مولانا محمد اکرم خان۔

بہار سے: مولانا رکن الدین دانائؒ، مولانا خدا بخشؒ۔

سندھ سے: مولانا عبداللہؒ، مولانا محمد صادقؒ، مولانا پیر تراب علیؒ۔

پنجاب سے: مولانا سید داؤد غزنویؒ، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ۔

بمبئی سے: مولانا عبدالمعظمؒ، مولانا سیف الدینؒ، حکیم ابو یوسف اصفہانیؒ، مولانا عبداللہؒ۔

جمعیت علماء ہند میں ملک کے جید، ممتاز علماء اور آزادی پسندوں کا انفرادی حیثیت میں جہاں کردار ہے، وہیں ملک کے معروف مکاتب فکر نے بھی بھرپور کردار ادا کیا جن میں مدرسہ دیوبند کے فضلاء کے علاوہ فرنگی محلی، بدایون اور علماء اہلحدیث کا بطور خاص ہمیں تذکرہ ملتا ہے۔(۳۸)

تحریک شیخ الہند اور خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور:

تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ تحریک شیخ الہند اور خانقاہ رائے پور ایک ہی حقیقت کے دو رُوپ ہیں چنانچہ تحریک شیخ الہند کی بنیادی حکمت عملی اکثر و بیشتر خانقاہ رائے پور میں طے ہوتی رہی اور اگر کہیں دوسری جگہ اہم فیصلے ہوئے تو ان میں مشائخ رائے پور شریک رہے، چنانچہ جمعیۃ الانصار جو کہ تحریک شیخ الہند کی ابتدائی مگر اہم کڑیوں میں سے ہے اس کے اصول وقواعد اور مقاصد کے تعین کی مجلس میں شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ شریک تھے(۳۹) ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تحریک شیخ الہند کے لئے کوئی حکمت عملی طے ہوگئی ہو یا کسی حکمت عملی پر کام شروع ہو چکا ہو اور مشائخ رائے پور اس سے بے خبر ہوں بلکہ خانقاہ رائے پور کے ہر مسند نشین نے ہمیشہ تحریک شیخ الہند کے جاری کاموں کی بھرپور تائید وحمایت بلکہ اس کے حق میں اپنی تمام توانائیاں صرف کی ہیں اور اپنے متعلقین کو ان کی استعداد کے مطابق شریک عمل کرتے رہے ہیں۔ مگر عام کتب اور مجالس میں تحریک شیخ الہند اور خانقاہ رائے پور کے اس تعلق کا تذکرہ اس لئے کم ملتا ہے کہ مشائخ رائے پور کے ہاں ہمیشہ اخفاء پیش نظر رہا ہے۔(۴۰) چنانچہ اس بابت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ایک تحریر لائق مطالعہ ہے:

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے اگرچہ اپنے شیخ قطب عالم حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ اور شیوخ متقدمین کی تقلید واتباع میں اپنے لئے ایک گوشہ عزلت کا انتخاب کیا تھا اور بظاہر صرف سلوک وتربیت سے تعلق رکھا تھا لیکن انہوں نے اس گوشہ گمنامی میں بیٹھ کر اپنے اسلاف کرام کی طرح متعدد دینی تحریکوں اور خدمت دین اور حفاظت اسلام کے مختلف اہم کاموں کی سرپرستی اور رہنمائی فرمائی تھی، جن کی تاریخ و روئداد کا بڑا حصہ، آپ کے جذبہ اخفاء اور کارکنوں کی بے توجہی سے اس وقت تک پردۂ اخفا میں ہے اور بہت جستجو اور تلاش وتحقیق سے اس کی کچھ کڑیاں دستیاب ہوسکتی ہیں۔(۴۱)

حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا باہمی تعلق چونکہ ذہنی، فکری اور تحریکی پس منظر رکھتا تھا، اس لیے یہ فکری اور عملی تعلق خانقاہ رائے پور کا جزو لازم بن گیا اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے بعد بھی خانقاہ رائے پور تحریک آزادی میں بھرپور کردار ادا کرتی رہی۔ وجہ اس کی یہ کہ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے جانشین مولانا شاہ عبدالقادر

رائے پوریؒ نے دراصل اس فکر و عمل کو محض سطحی نظر سے نہ دیکھا تھا بلکہ مکمل طور پر جذب کر کے، اسے اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالیا تھا کیونکہ قطب عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے آپ کا نام ہی نہیں بدلا کہ "غلام جیلانی" سے "عبدالقادر" رکھ دیا۔ بلکہ خصوصی توجہات وعنایات سے آپ کے قلب وقالب، جسم ودماغ، فکر وعمل اور جہد وکردار تک کو بھی بدل ڈالا، اور آپ کے تمام رنگ کو اتار کر اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ یہاں تک کہ آپ شیخ کے ہم شکل اور ان کی عملی مثال بن کر اپنے شیخ کے جانشین ہوئے۔

شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت حضرت شیخ الہندؒ مالٹا میں قید تھے، چنانچہ تحریک شیخ الہند کے عملی کاموں کی رہنمائی اور نگرانی بھی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کر رہے تھے (۴۲) شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اپنے انتقال سے پہلے یہ ذمہ داری شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو سونپ گئے، چنانچہ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے وصال مبارک کے بعد شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سیٹ کے نزدیک "پیلوں" ضلع سہارنپور میں قیام فرماتے تھے، تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ مختلف امور پر تبادلہ خیال ہوا۔ دوران گفتگو مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے پوچھا کہ "شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے شیخ الہند والے کام کی ذمہ داری کسے سونپی" تو اس موقع پر شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور دیگر حاضرین مجلس خاموش رہے۔ سب نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ یہ ذمہ داری بھی شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ہی کی ہے۔ (۴۳)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ان کے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ اور شارح افکار شاہ ولی اللہؒ اور تحریک شیخ الہندؒ کے ممتاز رکن حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا ایک مشترکہ واقعہ بتاتا ہے کہ تحریک شیخ الہندؒ کی یہ وراثت مکمل طور پر خانقاہ رائے پور میں منتقل ہوگئی:

چنانچہ جب ۱۹۲۸ء میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ حج کے لیے حجاز تشریف لے گئے، تو آپ نے جاتے ہی حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے ملاقات کے لیے آپ کو تلاش کروایا۔ لیکن فوری ملاقات نہ ہوسکی۔ بعد میں حضرت سندھیؒ نے رات کو آکر

حضرت اقدس رائے پوریؒ سے خود ملاقات کی۔ یہ ملاقات بھی بڑی عجیب تھی۔ طویل عرصہ کے بعد دو ایسے جدا ہونے والے باہم مل رہے تھے، کہ جنہوں نے آزادی کی جدوجہد میں قربانی دیتے ہوئے، یہ جدائی قبول کی تھی۔

حضرت سندھیؒ نے حضرت رائے پوری ثانی قدس سرہ سے فرمایا کہ آپ سے تنہائی میں بات کرنی ہے۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ نے تمام حضرات کو اٹھا دیا اور حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہ کو جو کہ اس وقت خادم کی حیثیت میں ساتھ تھے، اشارہ کر کے بیٹھے رہنے کا فرمایا۔ جب سب لوگ باہر چلے گئے، تو حضرت سندھی قدس سرہ نے حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی طرف دیکھا کہ یہ بھی باہر جائیں، لیکن حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے ان کا تعارف کرایا، کہ قطب عالم حضرت اقدس عالی رائے پوریؒ کے یہ نواسہ حقیقی ہیں اور یہ بھی اس راز کے امانت دار ہیں۔ غرض کہ تخلیہ میں ان تین حضرات نے گزشتہ تمام تحریکات کا تجزیہ کیا اور اس سلسلے میں جو مشکلات درپیش رہیں ان پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اور آئندہ اکابرین کے مشن پر کام کرنے کے امکانات کا جائزہ لیا گیا اور مشکل حالات اور پیچیدہ ماحول کے باوجود آنے والے دور میں راہ عمل نکالنے کے لیے جس حکمت عملی کی ضرورت تھی، اس کے لیے غور و فکر کیا گیا۔

(اس ملاقات کا نتیجہ تھا) کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ہندوستان واپس تشریف لانے کے بعد، حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کے فکر و عمل کو پھیلانے کے لیے جو کاوش کی اور جس مدبرانہ انداز میں یہاں کے معروضی حقائق کا تجزیہ کر کے آئندہ کے لیے لائحہ فکر و عمل تجویز کیا، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ نے اس کی بھرپور تائید کی۔ یہاں تک کہ اپنے خصوصی مرید اور معتمد خاص حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ (خسر حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ و نانا حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ) کو بطور خاص حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے پاس بھیجا کہ ان کی خدمت میں رہ کر حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کی کتابیں پڑھیں، اور حضرت سندھیؒ کی مدبرانہ سیاسی بصیرت سے استفادہ کرتے ہوئے، آئندہ کے لیے کام کرنے کا لائحہ عمل اور سیاسی مہارت کو

سمجھیں، چنانچہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ نے حضرت سندھی قدس سرہ سے خوب استفادہ کیا۔(۴۴)

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ اپنے شیخ ومربی قطب عالم حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کے نقش قدم پر ہمیشہ سرگرم عمل رہے ، حضرت عالی جیؒ اپنے سیاسی خیالات، جذبہ جہاد اور انگریز دشمنی میں چونکہ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ تھے، اور آپ نے شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو بھی وصیت فرمائی تھی کہ! مولانا محمود حسن صاحبؒ کا ساتھ دیتے رہنا اور سیاسیات میں انہیں سے رجوع کرنا اور مشورہ کی ہدایت بھی فرمائی تھی ، چنانچہ مالٹا سے واپسی کے بعد جب تک حضرت شیخ الہند قدس سرہ زندہ رہے ، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ان ہی کو اپنا سیاسی مقتدیٰ مانتے رہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد تحریک شیخ الہند اور خانقاہ رائے پور کا یہ سلسلہ پہلے کی طرح قائم اور مضبوط رہتا ہے، چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے عملی وارث حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ مل کر کام کرتے رہے، چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کے متعلقین میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا تھا، حضرت اقدس مدنیؒ اپنے متعلقین اور دیگر حضرات کو رائے پور بھیجا کرتے تھے، اور شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اپنے متعلقین کو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ مل کر سیاسی کام میں شرکت کا حکم دیا کرتے تھے چنانچہ آپ نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ اور حضرت مولانا زاہد حسن صاحبؒ کو خاص طور پر حضرت مدنیؒ کے ساتھ کام کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔

شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے نزدیک دارالعلوم دیوبند کے مرکز میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسا جامع آدمی اور کوئی نہ تھا، چنانچہ اس دور کا تجزیہ کرتے ہوئے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں:

ہمارے اس دور میں قحط الرجال ہے، کوئی جامع آدمی نہیں، دیوبند میں بھی عرصہ سے صرف ایک ایک آدمی چلا آتا ہے، مگر شکر ہے کہ دیوبند ابھی خالی نہیں

ہوا، حضرت مدنی جامع آدمی ہیں، اور کوئی ہمیں نظر نہیں آتا، عرض کیا گیا کہ حضرت مدنی تو لوگوں کو حضرت (آپ) کی طرف بھیجتے ہیں، فرمایا: دوسروں کی دولت زیادہ معلوم ہوا کرتی ہے۔ یہ حضرت مدنی کی نیک گمانی ہے۔ ورنہ ہم میں کیا رکھا ہے؟ پھر فرمایا: آدمی بڑی مشکل سے بنتا ہے۔(۴۵)

قطب الارشاد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ نے ایسے پرآشوب دور میں یہ کام سنبھالا، جبکہ دین اسلام کے تمام شعبوں میں صحیح فہم وبصیرت کے حامل اور اعلیٰ سیاسی شعور رکھنے والے علمائے ربانیین اور قوم پرست رہنمایان ملت کے لیے صحیح نہج پر کام کرنا انتہائی مشکل بنادیا گیا تھا اور مسلمانوں کی رہنمائی کے ایسے دعویدار پیدا ہوگئے تھے، جو اسلام کے لبادے میں ظالم سامراج کے سیاسی ومعاشی فکروعمل کو پھیلانے، اور سرمایہ پرستی کے نظام کو غالب کرنے کے لیے کام کررہے تھے، اور یوں اسلام کا نام استعمال کرکے سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنا کر اپنے گروہی اور طبقاتی مفادات کو حاصل کرنے میں لگے ہوئے تھے اور اس کے لیے ہر طرح کے مکروفریب اور سازشوں سے کام لے رہے تھے۔ ایسے مشکل اور پیچیدہ ماحول میں آپ نے انتہائی اولوالعزمی سے کام کرتے ہوئے خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کی بنیادی دعوت فکروعمل اور مرکزی موضوع میں کوئی تبدیلی قبول نہ کی، اور خانوادۂ ولی اللہی کے قائم کردہ صحیح فکروعمل پر انتہائی صبر واستقامت سے کام کرتے رہے۔(۴۶)

تحریک شیخ الہند کے کام سے گہری مناسبت اور عملی کاموں میں شرکت کا نتیجہ تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے کئی اعتماد یافتہ لوگ آپ سے اصلاح وتربیت کا تعلق قائم کرتے ہیں، ان ناموں میں ایک نمایاں نام حضرت شیخ الہندؒ کے ایک خصوصی شاگرد مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی شیخ التفسیر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا ہے(۴۷) یہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے قریبی رفقاء میں سے ہیں انہیں تحریک ریشمی رومال میں کرنل کا عہدہ حاصل تھا۔(۴۸)

خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کا مزاج دین اسلام کے تمام شعبوں شریعت، طریقت اور سیاست، میں تربیت، نگرانی اور سرپرستی کا رہا ہے، اسی لیے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے بعد ان کے جانشین قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہ

نے بھی اپنے مشائخ کرام کے مزاج کے مطابق اپنے متعلقین کی ان تینوں شعبوں میں بڑی جامعیت کے ساتھ تربیت اور انتہائی تدبر کے ساتھ نگرانی اور پورے فہم وفراست کے ساتھ سرپرستی فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو مزاج عالی خانوادۂ ولی اللہی اور ان کے سلسلہ عالیہ کے اگلے دور کے مشائخ ''گنگوہ'' اور ''رائے پور'' کا رہا ہے۔ اس کا پورا پورا عکس حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہ کی ذات قدسی صفات میں دیکھا جاسکتا ہے۔ آپ نے انتہائی مشکل، پیچیدہ اور منافقانہ ماحول میں اکابرین مشائخ کے مزاج عالی کو محفوظ رکھا۔(۴۹) حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے سیاسی افکار ونظریات کی ہمیشہ قدر کرتے اور لوگوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر بعض مفاد پرستوں نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکار توڑ مروڑ کر پیش کئے تو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے دل میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارے میں میل آگیا۔ ایک مجلس میں حضرت بنوریؒ نے حضرت سندھیؒ کے بارے میں اپنے اس تأثر کا اظہار حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے سامنے کیا تو حضرت والاؒ نے حضرت بنوریؒ کو مخاطب کر کے فرمایا:

حضرت مولانا! حضرت سندھیؒ ایسے نہیں تھے جیسا کہ لوگ ان کے بارے میں تأثر دیتے ہیں، حضرت سندھیؒ بہت اونچی نسبت کے بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کے بلند افکار و خیالات کسی کی سمجھ میں نہ آئیں یہ اور بات ہے لیکن حضرت سندھیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے ایسے اعتماد یافتہ بزرگ ہیں کہ جن کے بنیادی فکر وعمل میں آخر دم تک کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔(۵۰) آپ ہمیشہ حضرت سندھیؒ کا ذکر بہت بلند الفاظ سے فرماتے اور ان سے منسوب اعتراضات کی نفی فرماتے تھے۔

تحریک شیخ الہند کے پہلے دور کا تجزیہ:

عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ تحریک شیخ الہندؒ اپنے دور اول میں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ کرسکی اس کا تجزیہ کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

یہاں ایک خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہ شکست کیسے کھا گئے! ہم اپنی پرانی ذہنیت سے

اس شبہ سے بہت متاثر رہے اور رو کر کسی کو دو چار جلی کٹی سنا کر اپنا جی ٹھنڈا کر لیتے تھے، مگر دوران سیاحت جب ہمیں یورپ کی انقلابی تحریکوں کے مطالعہ کا موقعہ ملا تو یہ اصول سمجھ میں آیا کہ ایک اعلیٰ انقلاب کے لیے متعدد بار شکست کھانا چنداں بعید نہیں۔ خود اسلام کی ابتدائی تاریخ میں باہمی خانہ جنگیاں پیدا ہوتی رہیں، یہ چیز اصل میں انقلابی تحریک کے لوازم میں سے ہے۔ اس کے بعد ہم مطمئن ہو گئے کہ اگر شاہ ولی اللہؒ کی تحریک ایک بار شکست کھا گئی تو یہ حقیقت میں تحریک کی شکست نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم نے اپنے دیوبندی اساتذہ کے کام کو شاہ ولی اللہؒ کی تحریک کا دوسرا دور قرار دیا۔ اس دوسرے دور کو ہم مولانا شیخ الہندؒ کی وفات پر ختم کرتے ہیں، اس دور میں بھی تحریک شکست کھا چکی ہے، مگر وہ اپنے نتیجہ میں تیسرے دور کے لئے بنیاد تیار کر گئی ہے اور میں اسی امید پر زندہ ہوں اور مجھے اس تحریک کی آخری کامیابی میں کسی قسم کا شبہ و تردد، دامن گیر نہیں۔ (۵۱)

تحریک شیخ الہندؒ کا موجودہ دور:

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ تحریک شیخ الہند کے تیسرے دور کا آغاز شیخ الہندؒ کی وفات سے شروع کرتے ہیں، اس دور کا ایک حصہ ۱۹۴۷ء تک چلا اور پھر اس خطہ سے انگریز کے چلے جانے کے بعد ایک نئی صورتحال پیدا ہوئی، وہ یہ کہ برعظیم ہند دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، ایک وہ علاقہ جس پر انڈین گورنمنٹ قائم ہوئی اور دوسرا وہ حصہ جس پر پاکستان قائم ہے۔ ان دونوں علاقوں کے لیے کیا حکمت عملی ہو، تحریک شیخ الہند کے سامنے یہ ایک اہم سوال تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعت شیخ الہند نے اگلے دور اور نئی صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بیدار مغزی اور جواں ہمتی کا ثبوت دیا۔ بالکل اسی طرح جیسے ہندوستانی نظام کے بگاڑ پر، ہندوستان کے غلام ہونے کی صورت میں ولی اللہی جماعت نے موقع بموقع بہتر سے بہتر ممکنہ حکمت عملی بنائی۔

چنانچہ شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے افکار اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکار عالیہ و گرانقدر تجربات، خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے چوتھے جانشین حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کو منتقل کرتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی کی اسی جامعیت کا نتیجہ ہے کہ

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ آپ کے بارے میں یہ گرانقدر جملہ ارشاد فرمایا کرتے تھے "مولانا سعید احمد تو واقعی سعید" ہیں۔(۵۲)

وہ اساتذہ کرام جن سے آپ نے کسب علم کیا، ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت مولانا خدا بخش صاحبؒ، حافظ مقصود احمد صاحبؒ اور قاری ولی محمد صاحبؒ سے قرآن حکیم حفظ کیا۔ مولانا محمد اشفاق صاحبؒ سے چند کتب اور اپنے والد گرامی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے شرح جامی تک کی کتابیں پڑھیں۔ ان اکثر کتب کا آغاز بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ الیاس دہلویؒ سے کروایا جاتا تھا۔ حضرت مولانا عبداللہ دھرم کوٹیؒ سے جلالین اور حضرت مولانا محمد عبداللہ رائے پوریؒ جامعہ رشیدیہ والوں سے مشکوۃ شریف پڑھی۔ آخر میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی سرپرستی میں علوم کی تکمیل کی۔ اس دوران مولانا احمد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم اور اس دور کے دیگر اساتذہ سے بھی پڑھا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ دوران تعلیم آپ سے خصوصی شفقت اور عنایات کا معاملہ فرماتے تھے چنانچہ آپ کا کھانا ہمیشہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے گھر سے آتا رہا۔ حضرت شیخؒ نے آپ کو ہمیشہ معزز مہمان کی حیثیت میں رکھا۔ دیکھنے والوں کو خیال گزرتا تھا کہ شاید آپ حضرت شیخؒ کے صاحبزادگان میں سے ہیں۔ حضرت شیخؒ کی ان خصوصی عنایات کا نتیجہ ہے کہ حضرت شیخؒ کے زمانہ اور ان کی وفات کے بعد آپ کے متعلقین بالخصوص تبلیغی جماعت کے سربراہان آپ کو نمایاں حیثیت دیتے رہے اور یہ سلسلہ تاحال قائم ہے چنانچہ ۲۰۰۷ء میں جب حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی، رائے پور میں قیام فرما ہوئے تو حضرت مولانا زبیر الحسن اور حضرت مولانا محمد طلحہ حضرت والا کی زیارت کے لئے رائے پور تشریف لائے، تو راقم الحروف اور مجلس میں موجود سب لوگوں نے دیکھا کہ حضرت مولانا زبیر الحسن نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ کے ہاتھ مبارک پکڑ کر اپنے سر پر رکھ لئے اور ہاتھوں کا بوسہ لیا اور بہت عاجزی اور نیازمندی سے دعاء کی درخواست کی اور جب تک حضرت والا کی معیت میں

رہے بہت خوشی، محبت اور مسرت کا اظہار کرتے رہے۔

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی کی ذہنی اور فکری تربیت دو حضرات شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ کی نگرانی میں ہوتی ہے لیکن آپ کی ذہنی ساخت کے بننے اور سنورنے میں خانقاہ عالیہ رائے پور کی مجموعی فضاء کا بہت بڑا کردار ہے۔ خانقاہ رائے پور کا جغرافیہ کچھ ایسے ہے کہ مشرق میں نہر بہہ رہی ہے اور شمالاً و جنوباً دو برساتی ندیاں بہتی ہیں، جو خانقاہ کے بالکل قریب مغرب میں جا کر مل جاتی ہیں، یوں تو یہ جغرافیہ ایک نہر اور دو ندیوں کا نقشہ ہے، حقیقت میں قدرت کی طرف سے یہ اظہار ہے اس بات کا کہ جیسے صالح فکر کے کئی سوتے ایک جگہ آ کر جمع ہو رہے ہوں۔

واقعاتی اور حقیقی صورتحال ایسی ہی ہے، اس لیے کہ خانقاہ رائے پور وہ مرکز ہے جہاں ہندوستان کے چوٹی کے علماء، محدثین، صوفیاء، آزادی ہند کے ممتاز قائدین کا اکثر جانا رہا۔ حضرت شیخ الہندؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، بانی جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس دھلویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا سید محمد میاںؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، کے علاوہ سینکڑوں علماء آزادی یہاں آ کر یا تو مشورے کرتے، آزادی کا پروگرام ترتیب دیتے، یا کسب فیض کے لیے حاضر ہوتے۔

اس جنت نظیر ماحول میں حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی اس وقت پہنچتے ہیں کہ جب آپ لگ بھگ پانچ، چھ سال کے بچے تھے، کہ آپ کی والدہ محترمہ بچپن ہی میں آپ سے جدا ہو گئیں اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے آپ کو اپنا بنا لیا، اور اس طرح اپنا بنایا کہ ماں کی ٹھنڈی آغوش ثابت ہوئے۔ خانقاہ میں والد گرامی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ بھی ہوتے تھے مگر تعلیم و تربیت حتیٰ کہ دنیوی ضروریات اور مصارف کے ذمہ دار اور نگران بھی شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ خود بن گئے۔ تزکیہ نفس اور کمالات باطنی کے تمام مقامات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی نگرانی میں طے کیے بالآخر ۱۹۵۰ء میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اجازت و خلافت مرحمت

فرمانے سے پہلے بھی شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ آپ پر بہت اعتماد کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں پورا رمضان آپ نے حضرتؒ کی موجودگی میں امامت کے فرائض سرانجام دیئے حالانکہ اس رمضان میں خانقاہ کے ممتاز اور جید علماء اور بزرگان دین حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی صحبت اٹھانے کے لئے جمع تھے۔

اس جنت ارضی کے ماحول میں حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ اکابر کے فکر کو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ذریعے سمجھتے اور جذب کرتے ہیں چنانچہ ابھی آپ حصول تعلیم میں مشغول تھے کہ اس دوران حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے آپ کے نانا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ کے ذریعے ''حزب الانصار'' کے نام سے ایک جماعت بنوائی۔ اس جماعت کے سیاسی، تبلیغی سفر ہوا کرتے تھے جن کا مقصد اس جماعت کے نوجوانوں کو دین کی جامعیت سے آگاہ کرنا اور اس کے مطابق عملی تربیت دینا تھا، تو حضرت اقدس رائے پوریؒ کے حکم پر آپ نوعمری میں اس جماعت کے ممبر بن گئے۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ کی سرپرستی اور اس جماعت کے ماحول میں آپ نے دین کی جامعیت، سیاسی ذوق، انقلابی سوچ اور رائے کی پختگی کا اعلیٰ اور اونچا شعور حاصل کیا۔ اس ماحول نے آپ میں بزرگوں کی سوچ سے گہری مناسبت، بلند ہمتی اور جذبہ عمل پیدا کیا اس جماعت کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

۱۹۳۹ء میں حضرت اقدس رائے پوری کے ایماء پر رائے پور میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائے پوری نے ''حزب الانصار'' کے نام سے ایک سیاسی تبلیغی جماعت قائم کی تھی، جس کا مقصد نوجوانوں میں دین کا جامع شعور منتقل کرنا تھا، دین کے فرائض سکھانے کے ساتھ ساتھ عملی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ حزب الانصار کے مطبوعہ اغراض و مقاصد کے مطابق درج ذیل امور پر تربیت دی جاتی تھی:

۱۔ کلام الٰہی کو سمجھنے، سمجھانے اور عقل و حکمت کو کام میں لانا۔

۲۔ خدا کو راضی کرنے کے لئے جہاں تک ہو، نیک بننا اور آپس میں ایک ہو کر نیکی

کو دنیا میں غالب کرنا۔

۳۔امن وانصاف کی عالمگیر حکومت قائم کرنا جو نجات حاصل کرنے میں آسانی پیدا کرے۔

۴۔نیکی کو سمجھنے سمجھانے ،عمل میں لانے اور جماعتی زندگی کو مضبوط اور کامیاب بنانے کے لئے خاص اسلامی جذبہ سے جان ومال قربان کرنے کی عادت ڈالنا۔

۵۔صحیح اور عملی مقصد رکھنے والی جماعت حزب الانصار میں شامل ہو کر اس کے نصاب تربیت پر عبور حاصل کرنے کی جان توڑ جدوجہد کرنا۔(۵۳)

حضرت رائے پوریؒ اپنے سفر پاکستان کے دوران مجالس میں موجود علماء کرام کو متوجہ کرتے کہ مولانا سعید احمد کی باتیں سنو، چنانچہ حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ اپنے شیخ کی توجہ سے دین کی جامعیت اور عصری تقاضوں پر گفتگو کرتے ،اور جب بھی کوئی نوجوان حضرت رائے پوریؒ سے بیعت کرتا تو اسے مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری سے رابطہ رکھنے کی ہدایت فرماتے ،جبکہ عملی زندگی سے تعلق رکھنے والے کو حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے تعلق رکھنے کی تاکید فرماتے۔

یوں خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے ذکرواذکار کے نورانی اثرات، شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی اونچی صحبت اور حزب الانصار کی اجتماعی کوششوں کا اثر آپ کے خمیر میں رچ بس گیا اور یہ سب کچھ آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔اپنے شیوخ کی نگرانی میں تربیت حاصل کرنے کا آپ کا یہ سنہرا دور ۶۰ سال پر محیط ہے ،جس دن سے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے اس دن سے آج تک زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے شیوخ اور اکابرین کے مشن کی تکمیل کے لیے آپ وقف کئے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی کا بنیادی کام نوجوانوں کو دین حق سے روشناس کرانا اور ولی اللہی سلسلہ کے اہل حق کا تعارف کرانا ہے تاکہ آج کا نوجوان مغرب کے سرمایہ پرستانہ نظام کے چکاچوند مرعوب کرنے والے ماحول سے نکل کر بصیرت

وشعور کے ساتھ دین حق سے منسلک ہو.....اسی کا نتیجہ ہے کہ نوجوانوں میں علماء حق کی خدمات وافکار کے سلسلہ میں دلچسپی روز افزوں ہے اور اسی کے ساتھ ان کی تربیت میں علماء کی ایک ایسی کھیپ بھی تیار ہو رہی ہے جو مستند دینی مدارس سے فراغت کے بعد ان کی نگرانی میں مصروف عمل ہے۔(۵۴)

اُمید کی کرن:

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ جس تیسرے دور کے آغاز اور اس کی کامیابی کی امید باندھے اس دنیا سے رخصت ہوئے، اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کی ذمہ داری حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ کے کندھوں پر ڈال کر گئے ہیں۔شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فکری اور علمی تربیت کے لیے آپ کو اپنے ساتھ 30 سال تک رکھا اور اکابرین کا فکر اور جذبہ عمل منتقل کرتے ہوئے ایسی شراب طہور آپ کو پلائی ہے کہ اس مشن کی تکمیل کے لیے حضرت اقدس مدظلہ دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔آپ حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا سے واپسی کے بعد کی حکمت عملی کے مذکورہ چاروں پہلوؤں کو عصر حاضر میں غلبہ دین کے لئے ناگزیر تصور کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ارشادات وملفوظات کا مطالعہ کریں اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی دانائی، عالی دماغی، انتھک جدوجہد اور پہاڑ جیسی جرأت وہمت کا تصور ذہن میں لائیے تو اس کی مجسم شکل اس دور میں حضرت اقدس مدظلہ العالی ہیں۔اس پیرانہ سالی میں صوفیاء کے طریقہ پر مسلسل طویل اسفار ومجاہدات کے ذریعہ سے صالح سماجی تبدیلی کے لیے روحانی، علمی، شعوری اور فکری تربیت کے ذریعے نوجوانوں میں ولی اللہی فکر منتقل کر رہے ہیں، آپ کی شبانہ روز محنت کے نتیجہ میں کالج گریجوایٹ جس فکر مندی اور ذمہ داری کا ثبوت دے رہے ہیں، یقیناً شیخ الہندؒ کی روح خوش ہو رہی ہوگی، کیونکہ شیخ الہندؒ اپنے آخری دور میں ''اپنے فکر کے غمخوار کہ جس میں آپ کی ہڈیاں پگھلی جا رہی تھیں'' اس نوجوان اجتماعیت میں تلاش کر گئے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ نے خانقاہ رائے پور کے

مشائخ عظام کے علاوہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت سندھیؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت دہلویؒ اور تمام اکابر عزیمت وبصیرت کے فکر کے ابلاغ کا حق ادا کر دیا ہے۔ حضرت والا نے پورے ملک میں باشعور علماء اور گریجوایٹس کی ایک ایسی اجتماعیت پیدا کر دی ہے، جو حضرت شیخ الہندؒ کی آخری تمنا تھی۔ یوں حق کی وہ روشنی جو خانقاہ رائے پور کے ماحول سے آپ کے نفس زکیہ میں منتقل ہوئی تھی، اسے آپ نے ایک بہت بڑی اجتماعیت میں نہ صرف منتقل کیا بلکہ عصر حاضر کے تقاضوں کا خیال بھی رکھا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ جس امانت کو علماء اور گریجوایٹس کی مشترکہ اجتماعیت میں منتقل کرنا چاہتے تھے اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اپنے علم اور تجربات کو نئی نسل تک پہنچانے کے لیے مکہ مکرمہ سے جو تڑپ لے کر آئے تھے، اس فریضہ کو حضرت اقدس مدظلہ پوری قوت سے سرانجام دے رہے ہیں اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے جو یہ بات کہی تھی کہ ''ایک وقت آئے گا کہ دنیا رائے پور کے سیاسی کردار سے اچھی طرح آگاہ ہوگی۔'' (۵۵) یعنی لوگ خانقاہ رائے پور کی سیاسی اہمیت اور اس کے اجتماعیت پرور کردار اور مزاج کو جان لیں گے حقیقت یہ ہے کہ اسے حضرت والا نے کر دکھایا ہے۔ اس اجتماعیت کو پاکستان میں آج تنظیم فکر ولی اللہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ تنظیم فکر ولی اللہی کے پس منظر پر اگر نگاہ ڈالیں تو ہمیں اس کی جڑ ۱۹۶۱ء میں ملتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے ۱۹۶۱ء کا رمضان خالصہ کالج لائل پور (میونسپل ڈگری کالج فیصل آباد) میں گزارا، چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے حکم پر زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں آپ نے اپنی جدوجہد کا باقاعدہ آغاز کیا اور یوں ۱۹۶۷ء میں سرگودھا میں نوجوان طلبہ کی تعلیم وتربیت کے لئے ''جمعیت طلباء اسلام'' کے نام سے ایک جماعت قائم کی جبکہ ۱۹۶۹ء میں اس کا مرکزی دفتر لاہور منتقل کر دیا گیا۔

اس جماعت نے بہت قلیل عرصہ میں فہم وبصیرت رکھنے والی نوجوانوں کی ایک ایسی اجتماعیت پیدا کر دی جو گردوپیش کے حالات پر عقل وشعور کے ساتھ نگاہ رکھنے والی جماعت بن گئی۔ جمعیت طلباء اسلام کی نمایاں کارکردگی سے متاثر ہو کر اور اس جماعت

کے مخالفین کے رد میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کے بڑے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل ایک مختصر مگر جامع تحریر صفحہ قرطاس کے حوالے کی:

''اس پر آشوب دور میں جہاں طلباء کی اپنے اپنے مقاصد کے تحت بہت سی تنظیمیں ہیں، یہ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی کہ صحیح مقاصد کے تحت ''جمعیت طلباء اسلام'' کے نام سے طلباء کی ایک تنظیم قائم ہے۔ جس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مقاصد میں طلباء کے اذہان میں اسلامی انقلاب لانا ہے اور دوسری بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس جماعت کا سلسلہ نسبت مولانا حسین احمد مدنی ؒ، مولانا عبیداللہ سندھی ؒ اور حضرت شیخ الہند ؒ سے ہوتا ہوا امام انقلاب حضرت شاہ ولی اللہ ؒ تک جاملتا ہے۔

اور یہ کہ اس جماعت کے سرپرست اور بانی حضرت مولانا صاحبزادہ سعید احمد رائے پوری ہیں جو کہ قطب عالم شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی امین ہیں، مجھے طلباء کی اس جماعت پر پورا اعتماد ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو اپنے نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرماوے اور حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کے تشتت اور افتراق سے محفوظ فرمائے۔'' (۵۶)

تقریباً بیس (۲۰) سال تک جمعیت طلباء اسلام کے نام سے طلبہ کی تعلیم وتربیت کا کام ہوتا رہا پھر ۱۹۸۷ء میں تنظیم فکر ولی اللہی کے نام سے اس کام کو آگے بڑھایا گیا۔

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی چونکہ دین کی جامعیت اور بزرگان دین کے افکار عالیہ کی ہمہ جہت ترویج واشاعت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں اس لئے آپ نے دینی علوم کی اشاعت کے لئے مزید اداروں کو قائم کیا، چنانچہ نوجوانوں میں علوم قرآنیہ کی تعلیم اور ان کی اساس پر تربیت وتزکیہ کے لئے ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ'' (ٹرسٹ) لاہور کا قیام ۲۰۰۱ء میں عمل میں لایا گیا، اس ادارہ کے تحت قائم دینی تعلیمی نظام قرآن کی مستند تفسیر، احادیث نبویہ کی مسلمہ تشریح، فقہ، عمرانیات، سیاسیات، معاشیات، تاریخ اور حالات

حاضرہ پر قرآنی نقطہ نظر سے تجزیہ پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور ان اصولوں کی بنیاد پر نوجوانوں کی تربیت کی جاتی ہے۔

۲۰۰۳ء میں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ سے ملحق مدارس کی تعلیمی ترقی اور معیاری امتحانی نظام قائم کرنے کی خاطر ''نظام المدارس الرحیمیہ'' کے نام سے ایک بورڈ تشکیل دیا گیا جس کے تحت چار سالہ درس نظامی کورس پڑھایا جاتا ہے۔ حال ہی میں ادارہ رحیمیہ کی زیر نگرانی ''نظام المدارس الرحیمیہ'' کے تحت ملک کے متعدد شہروں میں ایسے گریجوایٹس جو عملی زندگی میں مصروف ہیں، کے لئے چار سالہ ''علوم اسلامیہ'' کورس کا آغاز کیا گیا ہے جس میں کافی تعداد میں نوجوان شریک ہو رہے ہیں۔ اس کورس میں تمام دینی علوم، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت نبویؐ، عقائد، تصوف، عمرانیات، سیاسیات، معاشیات کے ساتھ فلسفہ تشریع اسلامی اور حکمت ولی اللہی شامل کئے گئے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ کی زیر سرپرستی ایک مطبوعاتی ادارہ ''شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن'' کے نام سے قائم کیا گیا جس کا بنیادی مقصد اکابرین کی غیر مطبوعہ یا ایسی مطبوعہ تحریرات جو بڑی بڑی کتابوں میں ہیں اور عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں یا وہ معیاری اور گرانقدر تحریرات جو ایک عرصہ سے طبع نہ ہو سکی ہوں، کو شائع کرنا ہے۔ اس ادارہ نے اب تک ایسی تحریرات پر مشتمل ۷۰ پمفلٹ شائع کیے ہیں اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔

تنظیم فکر ولی اللہی، ادارہ رحیمیہ، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، نظام المدارس الرحیمیہ دراصل تحریک شیخ الہند کا تسلسل ہے۔ مستقبل کا مؤرخ یہ بات لکھنے پر مجبور ہوگا کہ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ اور آپ کی محنت سے تیار ہونے والی تنظیم فکر ولی اللہی کا نہ صرف برعظیم پاک و ہند بلکہ پوری دنیا کی جدوجہد آزادی میں نمایاں مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس صالح اجتماعیت کا مفید حصہ بنا کر دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب کریں۔ آمین۔

☆.....☆.....☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔تحریک خلافت، قاضی محمد عدیل عباسی۔ پروگریسو بکس، ۴۰ بی اردو بازار لاہور ۱۹۹۱ء۔ص: ۴۸
۲۔ ہفت روزہ خدام الدین ،جلد ۳۲۔شمارہ ۲۰۔۲۸ نومبر ۱۹۸۶ء۔مضمون، حضرت شیخ الہندؒ کی عظمت کے عناصر ترکیبی پر ایک معروضی نظر، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری۔ص: ۱۵
۳۔نقش حیات، مولانا حسین احمد مدنیؒ ۔مکتبہ رشیدیہ۔ساہیوال۔ص: ۶۵۵
۴۔شیخ الہندؒ کے خطاب کی تجویز مفتی اعظم مفتی کفایت اللہؒ نے دی تھی۔علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں۔تدوین جدید ،ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری۔جمعیۃ پبلیکیشنز۔وحدت روڈ لاہور ۲۰۰۵ء۔ص: ۲۵۱
۵۔نوٹ: رولٹ ایکٹ میں صاف لکھا تھا کہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تحریک کو دبانے کے لئے یہ ایکٹ بنایا جاتا ہے اس ایکٹ کے تحت تمام قانونی ضابطوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آزادی پسندوں پر اندھا دھند مقدمے چلائے گئے اور سزائیں دی گئیں، ستم بالائے ستم یہ تھا کہ ان فیصلوں کے خلاف اپیل بھی نہ ہو سکتی تھی۔
۶۔نقش حیات، ص: ۶۶۷
۷۔یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ انگریز سامراج کے خلاف ایک تحریک خلافت ۱۹۱۸ء میں چلی تھی جبکہ ۱۹۲۴ء کی تحریک خلافت کی برطانوی حکومت نے اس مقصد کے لئے حوصلہ افزائی کی کہ اس کے ذریعے انگریز اپنے دشمن غازی کمال پاشا کے خلاف اشتعال پیدا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ حقیقی آزادی پسند رہنما اس دوسری تحریک خلافت سے لاتعلق رہے۔غازی کمال پاشا کی وفات پر جمعیۃ علماء ہند نے دہلی میں اپنے گیارہویں اجلاس (۳ تا ۵ مارچ ۱۹۳۹ء) میں یہ قرارداد پاس کی تھی ''جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس مجاہد اعظم غازی مصطفیٰ کمال پاشا، جو ترکی کے استخلاص اور استقلال تام کے روح رواں تھے، کی وفات حسرت آیات پر دلی صدمہ کا اظہار کرتا ہے، ان کی وفات سے ملت اسلامیہ کا ایک مفکر اعظم اور مجاہد اکبر مسلمانوں سے جدا ہو گیا، خدا

تعالیٰ غازی موصوف کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ملت ترکیہ کو احیاء قوائے ملت میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (جمعیۃ علماء ہند، دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے عام ،مرتبہ پروین روزینہ، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد، ۱۹۸۰ء، ۲: ۶۳۳)

۸۔ ایشیاء کا عظیم انقلابی لیڈر۔ محمد سلمان منصور پوری۔ شاہ ولی اللہ دارالمطالعہ، بشیر بلڈنگ ،لاہوری گیٹ گوجرانوالہ، ص: ۲۸

۹۔ استعماری مظالم اور ملی تقاضے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان ۱۹۹۱ء، ص: ۲۶

۱۰۔ آپ بیتی، باچہ خان کی کہانی خود ان کی زبانی۔ روہتاس بکس۔ احمد چیر ۵۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۸۹

۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۴۰

۱۲۔ اختتامی تحریر، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، اجلاس دوئم جمعیۃ علماء ہند، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء، دستاویزات جمعیۃ علماء ہند، مرتبہ پروین روزینہ، ۱: ۷۴۔

۱۳۔ ایضاً، ۱: ۷۵۔

۱۴۔ مجلہ التوحید۔ تہران نمبر ۱۵۔ رجب شعبان ۱۴۰۵ء/ ۱۹۸۵ء۔ ص: ۱۲۶، ۱۳۰

۱۵۔ نقش حیات، ص: ۶۷۶

۱۶۔ جدوجہد اور نوجوان، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ۔ شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان۔ ص: ۷ تا ۹۔

۱۷۔ استعماری مظالم اور ملی تقاضے، ص: ۲۵، ۲۶

۱۸۔ النساء: ۷۷، ۷۸

۱۹۔ علم اور دین داری۔

۲۰۔ استعماری مظالم اور ملی تقاضے، ص: ۲۸

۲۱۔ انقلابی لیڈر، ص: ۲۹

۲۲۔ نقش حیات، ص: ۸۷

۲۳۔ہجرت افغانستان۔حاجی فیض محمد خان۔تاج کمپنی لاہور۔۱۹۷۱ء۔ص:۳۰
۲۴۔خطبہ صدارت،مولانا ابوالکلام آزاد،اجلاس سوئم جمعیت علماء ہند،۱۸،۱۹،۲۰نومبر ۱۹۲۱ء
۔دستاویزات جمعیت علماء ہند،مرتبہ:پروین روزینہ،قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و
ثقافت۔اسلام آباد۔۱:۸۸
۲۵۔حضرت شیخ الہند کے عناصر ترکیبی،ص:۱۴
۲۶۔نقش حیات،ص:۵۵۳،۵۵۴
۲۷۔ایضاً،ص:۵۵۷
۲۸۔ایضاً،ص:۵۹۷
۲۹۔نقش حیات،ص:۶۹۲
۳۰۔خطبہ صدارت اجلاس جمعیت علماء ہند،کلکتہ،۳جون ۱۹۳۹ء۔خطبات و مقالات
مولانا عبیداللہ سندھی۔سندساگر اکادمی۔اردو بازار لاہور۔۱۹۹۶ء۔ص:۸۵
۳۱۔جانشین شیخ التفسیر مولانا عبیداللہ انورؒ،تحریر ڈاکٹر محمد اکمل بر حواشی و تفسیر قرآن عزیز از حضرت
لاہوریؒ،اعتقاد پبلشنگ ہاؤس ۱۵۶۱۔کوتانہ سٹریٹ،سوئیوالان،دھلی،ص:۵۵،۵۶۔
۳۲۔ارشادات مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری۔جمع کردہ:مولانا حبیب الرحمٰن رائے
پوری۔مرتب:مولانا محمد عبداللہ بھکر۔مکتبہ رشیدیہ۔۲۵لوئر مال۔لاہور۔ص:۳۴،۳۵
۳۳۔یتیمۃ البیان۔ضمیمہ مشکلات القرآن۔مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔ادارہ تالیفات
اشرفیہ،بیرون بوہڑ گیٹ۔ملتان ۱۹۳۷ء۔ص:۴۴
۳۴۔تعزیتی قرارداد،اجلاس چہاردھم،سہارن پور،۴،۵،۶مئی ۱۹۴۵ء۔دستاویزات جمعیت
علماء ہند،۱۹۸۱ء۔۲:۸۱۵
۳۵۔دیکھئے۔علماء حق،ص:۲۲۳،۲۲۴
۳۶۔جمعیت علماء کیا ہے؟مولانا سید محمد میاںؒ۔مکتبہ محمودیہ۔کریم پارک۔لاہور۔حاشیہ،ص:۱۲
۳۷۔علماء حق،ص:۲۳۷،۲۳۸۔جمعیت علماء کیا ہے؟ص:۱۲،۱۳،۱۴
۳۸۔جمعیت علماء کیا ہے؟ص:۱۰۶

۳۹۔دیکھئے قواعد و مقاصد جمعیۃ الانصار از مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔مطبوعہ دیوبند۔ص:۳

۴۰۔اس بابت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ،حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ ،حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ،مولانا محمد عاشق الٰہیؒ کی تحقیقات راقم کے مقالہ ''شیخ الہند اور تحریک آزادی'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں جو شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی طرف سے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

۴۱۔سوانح شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ۔مطبوعہ کراچی۔ص:۲۹۰

۴۲۔دیکھئے آپ بیتی،۴:۲۷

۴۳۔یہ روایت حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری خلیفہ مجاز شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ و مسند نشین خانقاہ رائے پور سے راقم الحروف نے خود سنی۔

۴۴۔شاہ عبدالرحیم رائے پوری ؒ ،مؤلفہ مفتی عبدالخالق آزاد ۔مکی دارالکتب لاہور۔۱۹۹۸ء،ص:۴۴،۴۵

۴۵۔ارشادات حضرت رائے پوری ثانیؒ ۔جمع کردہ: مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ ۔مکتبہ رشیدیہ،لوئر مال۔لاہور،ص:۲۳۲

۴۶۔شاہ عبدالرحیم رائے پوری،ص:۳۷،۳۸

۴۷۔نفحات طیبہ تلخیص حیات طیبہ۔ڈاکٹر صاحبزادہ محمد حسین للہی۔مطبوعہ مفتی الٰہی بخش اکیڈمی ۔کاندھلہ۔یوپی۔انڈیا۔ص:۲۱

۴۸۔تحریک شیخ الہندؒ،ص:۳۹۸

۴۹۔شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ۔ص:۶۹

۵۰۔مشائخ رائے پور،مفتی عبدالخالق آزاد۔دارالتحقیق والاشاعت۔۳۲ میکلیکن روڈ۔لاہور ۲۰۰۶ء۔ص:۱۳۸

۵۱۔شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک،مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔الجمعیۃ اکیڈمی عزیز مارکیٹ اردو بازار۔لاہور،ص:۱۱۵،۱۱۶

۵۲۔مجالس حضرت رائے پوری ۔جمع کردہ: مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ ۔مکتبہ سید احمد

شہیدؒ۔اردو بازار۔لاہور۔۱۹۹۶ء ص:۱۹۱

۵۳۔حزب الانصار کے مطبوعہ اغراض ومقاصد از مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ، ص:۳

۵۴۔ خانقاہ عالیہ رائے پور۔مفتی عبدالخالق آزاد۔شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن۔ملتان، ص:۲۹،۳۰

۵۵۔شاہ عبدالرحیم رائے پوری، ص:۲۱۱

۵۶۔مشائخ رائے پور، ص:۱۹۰،۱۹۱

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

استعماری مظالم اور ملی تقاضے	شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ
جدوجہد اور نوجوان	شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ
قرآنی دعوت انقلاب	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
ولی اللّٰہی فکر کا تاریخی تسلسل	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
تقویٰ کیا ہے؟	مولانا عبیداللہ سندھیؒ
دین حق اور برصغیر کا سامراجی نظام تعلیم	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
عبادت وخلافت	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
شریعت، طریقت اور سیاست	مولانا محمد الیاس دہلویؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
جدوجہد آزادی کا راہنما ادارہ	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
دینی تمدن کی تشکیل نو	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
اسلام اور گروہیت	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
اسلام کا اقتصادی نظام ایک تقابلی جائزہ	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
فرد اور اجتماعیت	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
وقت کی قدر و قیمت	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
ولی اللّٰہی تحریک	مولانا سید محمد میاںؒ
امام شاہ عبدالعزیزؒ افکار اور خدمات	مولانا سید محمد میاںؒ
آزاد قومی پالیسی کا خاکہ	مولانا سید محمد میاںؒ
دین وحدت	مولانا سید سلیمان ندویؒ
جہاد کیا ہے؟	مولانا سید سلیمان ندویؒ
دین اور حکومت	مولانا سید سلیمان ندویؒ

پوسٹ بکس نمبر 938 پوسٹ آفس گلگشت ملتان